والعصر ۝ ان الانسان لفی خسر ۝

جامعہ عثمانیہ کا ترجمان

ماہنامہ

العصر

پشاور

مدیر مسئول

مفتی غلام الرحمٰن

محرم الحرام ۱۴۲۴ھ / مارچ ۲۰۰۳ء

Scanned with CamScanner

جنت میں گھر بنانے کا سنہری موقع

گھر انسان کی بنیادی ضرورت ہے خود اور اپنی اولاد کے آرام وسکون کے لئے ہر ایک گھر بنانے کی کوشش میں رہتا ہے زندگی بھر ایک گھر کی تعمیر انسان کی واحد آرزو اور تمنا ہوتی ہے لیکن کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ دنیا کی عارضی زندگی کی نسبت سے ہے ہمیں قیامت کی ابدی زندگی میں بہتر سے گھر بنانے کی ضرورت ہے یہاں تو پھر بھی ذاتی مکان نہ ہونے کی صورت میں کرایہ کے مکان میں زندگی کی صبح وشام تمام ہوسکتی ہے لیکن قیامت میں کرایہ داری کا نظام نہیں پایا جاتا۔

آئیے بغیر سوچے فیصلہ کیجئے

کہ ہمیں جنت میں گھر بنانا ضروری ہے اس کے لئے آپ کرہ ارض پر ...د بنا کر یا کسی دینی درسگاہ کی تعمیر میں حصہ لیکر اپنی آرزو پوری کر سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جامعہ عثمانیہ نے ~~بنات~~ اسلام کے لئے «**مدرسہ سیدہ فاطمہؓ**» کے عظیم منصوبہ پر کام شروع کر کے دو مراحل میں جامعہ کے ساتھ ساتھ سترہ مرلہ کا پلاٹ تقریباً دس لاکھ روپے میں خرید کر مسلمانوں کو جنت میں گھر بنانے کا سنہری موقع فراہم کیا ہے۔ زرزمین کا یہ ناقابل تحمل بوجھ اٹھانے میں کوشش کیجئے اور مسلمان بچیوں کی تعلیم وتربیت میں دل کھول کر حصہ لیں۔

شعبہ نشر واشاعت جامعہ عثمانیہ پشاور

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان

ماہنامہ

العصر

پشاور

زیر سرپرستی

حضرت مولانا حکیم لطف الرحمٰن صاحب زید مجدہم

مجلس ادارت

مدیر مسؤل
مفتی غلام الرحمٰن

نائب مدیر
مولانا ذاکر حسن نعمانی

مجلس مشاورت

مولانا حسین احمد
مفتی نجم الرحمٰن

قانونی مشیر
نثار خان ایڈووکیٹ

محرم الحرام ۱۴۲۴ھ / مارچ ۲۰۰۳ء — جلد ۹ — شمارہ ۳

فہرست مضامین

صدائے العصر	اداریہ	۲
محاسن القرآن	مفتی غلام الرحمٰن	۹
جمہوریت	مفتی ذاکر حسن نعمانی	۱۶
دار الافتاء	مفتی غلام الرحمٰن	۲۸
اسلامی قیادت کے اوصاف اور ذمہ داریاں	محمد عباس درجہ سادسہ	۳۳
اسلام میں عورت کے چہرے کا پردہ	عبدالمجیب	۴۲
یادِ حیات قسط نمبر ۵	مولانا حسن جان	۴۶
اخبار الجامعہ	مولانا تحمید اللہ جان	۵۰

پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹ پشاور صدر۔ صوبہ سرحد پاکستان فون ۲۷۳۵۶۱-۰۹۱

پبلشر و دفتر مفتی غلام الرحمٰن نے وحدت پرنٹنگ پریس خیبر بازار پشاور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ العصر جامعہ عثمانیہ، عثمانیہ کالونی نوتھیہ روڈ پشاور صدر سے شائع کیا

بدل اشتراک فی پرچہ 15 روپے / زرسالانہ اندرون ملک 125 روپے بیرون ملک 25 ڈالر کی قیمت

صدائے عصر

موجودہ تعلیمی پالیسی میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت

۲۴ تا ۲۶ سہ روزہ تعلیمی ورکشاپ کا اہتمام جی ٹی زیڈ والوں نے کیا تھا۔ جس میں صوبہ بھر کے ماہرین تعلیم شریک رہے۔ مدیر العصر نے ورکشاپ کے سامنے اپنا جو نقطہ نظر پیش کیا۔ افادۂ عام کے لئے اداریہ میں پیش کیا جاتا ہے

(ادارہ العصر)

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا تعلیمی نظام کئی خامیوں سے بھرا پڑا ہے۔ جس کی اصلاح ک
لئے آپ حضرات فکرمند ہیں اور مختلف تجاویز پر غور کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ حضرات کی ی
بارآور ثابت ہو اور اس سے آگے تعلیمی پالیسی بنانے میں مدد مل سکے۔ مجھے اس ایک نشست
شرکت سے اندازہ ہوا کہ آپ حضرات کسی ایک پہلو پر نہیں بلکہ پورے نظام کو سامنے رکھتے ہو
خامیوں کی نشاندہی کر کے علاج کے بارے میں سوچتے ہیں۔ یہ طریقہ کار یقیناً قابل تحسین ہ
انسان اپنی محنت کی خوبیوں کو سامنے رکھتے ہوئے داد لینے کا منتظر نہ رہے۔ بلکہ کمزوریوں کا اعتر
کر کے اصلاح کے لئے راہیں اور ذرائع تلاش کرے لیکن میرے خیال میں یہ صرف ایک ورکشاپ
ایک سیمینار کا کام نہیں بلکہ یہ تعلیمی نظام کا مستقل حصہ ہونا چاہئے۔ وقتی یا طویل المیعاد پالیسی
کے لئے سالانہ طور پر کمزوریوں کا تعین ہو ایسے ورکشاپ ہر سال منعقد ہوں طلبہ سے لیکر ماہرین تع
کے ہر شعبہ سے افراد لیکر تجاویز سامنے لائی جائیں اور آگے جا کر تعلیمی پالیسی کا حصہ بنایا جائے۔
اور احتمالی وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے پالیسی بنانے کی بجائے زمینی حقائق کی روشنی میں پا
زیادہ کامیاب رہے گی۔

میرے خیال میں نصاب، ماحول، طریقہ کار اور دوسری انتظامی خرابیوں پر غور کرنے

ساتھ ساتھ اگر ہم ان کمزوریوں کی تشخیص کریں۔ کہ آخر کار یہ خرابیاں کس وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ ان کی جڑ اور بنیاد کیا ہے؟ ایک دفعہ تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں اور بنیادی خرابی کا تعین ہو اور اس کا علاج ہو تو اس پر مرتب ہونے والے تمام مسائل حل ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اس طریقہ کار سے ہم جملہ کوتاہیوں کا علاج دریافت کر سکیں۔ ورنہ ایک ایک مسئلہ کے حل کرنے کے لئے اگر علاج تجویز کرتے رہیں اور بنیادی خرابی تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں۔ تو ایک مسئلہ کے علاج سے دوسرے کئی مسائل پیدا ہوں گے۔ آج ہماری یہی حالت ہے ہم سوچتے ہیں کہ یکساں نظام تعلیم فراہم کریں۔ جس سے امیر و غریب کو یکساں حق ملے۔ اور معاشرہ کے نچلے طبقہ کے لوگ آگے آئیں۔ لیکن آگے جا کر معاشرہ کے طبقاتی نظام کے دلدل میں ایسے پھنس جاتے ہیں۔ کہ یکساں نظام تعلیم کی بجائے معاشرہ میں تفریق پیدا ہوتی ہے اور ہم ایسے مسائل سے دوچار ہوتے ہیں۔ کہ ان کا حل ہمارے دائرہ اختیار سے باہر رہتا ہے۔ اور یوں تمام مشورے اور تجاویز ادھوری رہ جاتی ہیں۔

بنیادی جڑ کی تلاش کے لئے ہمیں تعلیم کے مقاصد اور اہداف پر غور کرنا چاہئے۔ ہم بحیثیت مسلمان اس سے نابلد ہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے تعلیم کے اہداف کیا ہیں؟ ہم مغرب کے افکار کے پیروکار بنکر اپنے مذہب اور عقیدہ کو بھول جاتے ہیں۔ مغربی تعلیم کو اپنی زندگی کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ یعنی دنیا میں رہنے کے لئے تعلیم ہماری ضرورت ہے۔ اس نظریہ کو ہم بھی ملکی سطح پر منواتے ہیں۔ اور لوگوں کو راغب کرنے کے لئے یہی رٹ لگاتے ہیں کہ تعلیم حاصل کرو کیونکہ یہ ہماری ضرورت ہے معاشرہ میں اس نظریہ کو جب سے فروغ ملا تو اس سے ایک اور تصور سامنے آیا۔ کہ لوگوں نے تعلیم کا روزگار سے جوڑ لگایا یعنی عوام کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ ہم تعلیم اس لئے حاصل کرتے ہیں کہ ہمیں روزگار ملے اور آج یہی سوچ غالب ہے۔ اگر آپ ایک بچے سے پوچھیں کہ آپ تعلیم کیوں حاصل کرتے ہو۔ تو یقیناً اس کا جواب ہوگا کہ مستقبل میں اچھا روزگار ملے۔ یہی وجہ ہے کہ تعلیمی ڈگریاں اٹھا کر لوگ روزگار کے لئے چیختے ہیں اور جہاں کہیں تعلیم یافتہ طبقہ کو روزگار نہ ملے۔ تو معاشرہ میں نئی نسل ان کو دیکھتے ہوئے تعلیم سے بددل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ کچھ مدتوں سے لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ تعلیم کی بجائے وہ ذرائع ہم کیوں اختیار نہ کریں۔ جن سے ہمیں روزگار کے وافر مواقع

Scanned with CamScanner

میسر ہوں۔

یہی ہماری بنیادی غلطی ہے کہ ہم تعلیم کے مقدس پیشے کو روزگار سے جوڑتے ہیں۔ اس کے منفی اثرات آپ دیکھیں کہ تعلیمی اداروں کے اساتذہ جن کو تعلیم سے وابستہ ہو کر نئی نسل کی تربیت کے بارے میں فکر مند ہونا چاہئے تھا۔ انہوں نے اس اہم ذمہ داری کو نبھانے کی بجائے تدریس کو صرف پیشہ سمجھ کر باعزت طریقہ سے دو وقت کے کھانے کا ذریعہ سمجھا۔ نتیجتاً استاد اپنے آپ کو ... کر وہ رویہ اور کردار اپنانے پر مجبور ہے جو معاشرہ کے ایک عام مزدور کا ہوتا ہے۔ جس میں کام چوری خیانت اور دوسری معاشرتی برائیوں سے پرہیز نہیں کیا جاتا ہے۔ استاذ کا کام اپنی تنخواہ سے ہوتا ہے اس کے حصول کے لئے دھوکہ اور فریب سے بھی دامن نہیں بچاتا۔ وہ امتحان جیسی نازک ذمہ داری بھی کاروبار سمجھ کر ڈیوٹی کے دوران ناجائز ذریعہ سے دولت کمانے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ خود سوچیں جب نئی نسل ایسے استاد کے ہاتھوں میں ہو جس کے ہاں کردار، اخلاق اور دینی اقدار کا کوئی وجود نہ ہو تو وہ ان بچوں کی کیا تربیت کرے گا؟ اور اس کی جھولی سے کیسے لوگ نکلیں گے؟ ایسے ماحول میں زندگی کی قیمتی وقت گزارنے والا بچہ آگے جا کر ملک وقوم کی تعمیر میں کیا کردار ادا کر سکتا ہے؟ میرے خیال میں یہی بچے جب ملک کے کلیدی عہدوں پر فائز ہوں تو سفید پوش ڈاکو بننے کے سوا ہم ان سے اور کیا توقع نہیں رکھ سکتے وہ قدم بقدم خیانت کو تحفظ دینے کے بارے میں سوچیں گے۔ وہ اندرون ملک بلکہ بیرون ملک معاہدوں میں کمیشن کے لئے منصوبے بنائیں گے۔ وہ ملک وقوم اور مذہب و عقیدہ داؤ پر لگا کر میر جعفر اور میر صادق بننے پر فخر کریں گے۔ تعلیم برائے روزگار سے ایک خرابی یہ بھی سامنے آئی جس کے علاج سے ہم قاصر ہیں۔ کہ ہمارے معاشرہ کا نظام تعلیم طبقاتی نظام کا شکار ہوا۔ ایک طرف سرکاری سکول ہیں جن پر عوام کا کوئی اعتماد نہیں رہا۔ معاشرہ کے جس فرد کو بھی کچھ مالی آسودگی میسر ہو وہ اپنے بچوں کو پرائیویٹ سکول میں رکھنے کا موقعہ ضائع نہیں کرتا۔ سرکاری سکول میں ایسے بچے ہوتے ہیں جو تعلیمی اخراجات برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ اور ایسے اداروں میں طالب علم سے لیکر استاد تک تمام کا یہ نظریہ ہوتا ہے کہ ان سکولوں سے ایسے بچے کبھی نہیں نکلتے جو آگے جا کر ملکی ترقی میں نمایاں کردار ادا کر سکیں۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ کلرک بننے تک ان کی دوڑ ہوتی ہے۔ ...

آبادیاتی سوچ اور تصور معاشرہ پر غالب ہے۔ جو برصغیر کی آزادی سے قبل قائم تھا۔ کہ کلرک پیدا کرنا ہی ہمارا کام ہے اور حکومت کرنے کا حق گوروں کو حاصل ہے۔ یہ جو مشکلات آپ ذکر کر رہے ہیں کہ پرائیویٹ سکولوں کی بھرمار ہے۔ بچوں کے لئے یکساں نصاب تعلیم نہیں ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں پر کتابوں کا ناقابل تحمل بوجھ لادا جا رہا ہے۔ تعلیمی اداروں کا ماحول ناسازگار ہے۔ نظام امتحان کمزور ہے۔ نقل کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ اور امتحان میں غیر اخلاقی ہتھکنڈے استعمال ہو رہے ہیں۔ تعلیم کا بنیادی مقصد روزگار کو قرار دینے میں یہ چیزیں یقیناً پیدا ہوں گی۔ بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر دیکھیں کہ اساتذہ کو تدریس کے بائیکاٹ، احتجاج اور ہڑتال جیسے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایسی حرکتوں کا ارتکاب کرتے ہیں جو یقیناً اس پیشہ کو زیب نہیں دیتی۔ استاذ معاشرہ کا قابل قدر سرمایہ ہے۔ انتظامیہ، عدلیہ یا مقننہ کے افراد آخر کون ہیں؟ استاذ کے شاگرد ہیں۔ یہ کتنی بری بات ہے کہ اساتذہ کو اپنے مطالبات منوانے کے لئے جلوس نکال کر اپنے شاگردوں سے ڈنڈے کھانے پڑتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اگر ہم دینی نقطہ نظر سے سوچیں اور بحیثیت مسلمان تعلیم کو سمجھیں کہ ہمارے مذہب میں اس کا کیا مقام ہے؟ اور اس پیشہ کی اہمیت کیا ہے؟ اور یہی نظریہ اپنائیں تو یہ تمام مسائل خود بخود حل ہوں گے۔ اسلام کے خلاف یہ پروپیگنڈہ بالکل بے بنیاد ہے کہ مذہب کی وجہ سے ہماری ترقی رک جائے گی۔ اور مذہب کی وجہ سے ہم جمود کا شکار ہوں گے۔ اسلام کی نظر میں تعلیم ہماری ضرورت نہیں بلکہ ﴿عبادت﴾ ہے ضرورت اور عبادت میں نمایاں فرق ہے۔ ضرورت اس وقت تک کارآمد ہوتی ہے۔ جب اس کی حاجت ہو فقہ کا ایک قاعدہ ہے ﴿الضرورة تقدر بقدر الضرورة﴾ یعنی ضرورت کا دائرہ کار ہی ضرورت ہے اگر تعلیم کو اپنی ضرورت سمجھیں۔ تو متبادل پلیٹ فارم میسر ہونے پر ہم تعلیم سے بے نیاز رہیں گے۔ جبکہ عبادت ماننے کی صورت میں اس سے خلاصی ممکن نہیں۔ بلکہ ﴿واعبد ربك حتى ياتيك اليقين﴾ موت تک ہم اس کے مکلف رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ طالب علمی کا دورانیہ کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مرتے دم تک مسلمان طالب علم ہوتا ہے۔ اور اسکی زندگی کی بقاء کا راز بھی تعلیم ہے۔ تعلیم کی وجہ سے مسلمان باقی رہتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں علم کو روشنی اور حیات سے تعبیر کیا ہے جبکہ ناخواندگی اور جہل کو موت اور تاریکی کے

Scanned with CamScanner

مترادف قرار دیا ہے۔

ہم نے خود تعلیم کے مقدس شعبہ کو کاروبار بنا کر اپنی حیثیت کھو دی۔ آج لوگ کہہ رہے معاشرہ میں تعلیم کی قدر نہیں ہے۔ واقعی درست بات ہے۔ لیکن یہ معاشرہ کا نقصان نہیں بلکہ تعلیم کی غلطی ہے۔ جنہوں نے تعلیم کی حقیقت کا ادراک کئے بغیر منصوبے بنائے۔ تعلیم کو روزگار جوڑ کر کاروباری عنوان سے متعارف کرایا۔ ایک بے مقصد لائن کو ہم اختیار کئے ہوئے ہیں۔ تربیت ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اخلاقیات اور کردار سازی کا کوئی اہتمام نہیں۔ ایسے نظام کا نتیجہ رہے گا جس سے ہم گزر رہے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں اس پر کسی شکوہ کی بجائے نئے سرے اس سفر کا آغاز کرنا چاہئے۔

آیئے ہم علم کو عبادت کا درجہ دیکر شروع کریں اور معاشرہ میں اس کے ذریعہ انقلاب لائیں۔ تعلیم کو ایسا شعبہ بنائیں کہ معاشرہ کی ہر مشکل کا مداوا اس سے ہو سکے۔ معاشرہ میں تعلیم شعبہ کو ایسا اعتماد دلائیں کہ قابل لوگ اس میدان میں آنا اپنی سعادت سمجھیں۔ آج میٹرک میں ڈویژن لینے والے جب دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں ملازمت سے مایوس ہو جاتے ہیں تو تعلیم شعبہ کو مجبور ہو کر اختیار کرتے ہیں۔ اگر تعلیم کے شعبہ کو عظمت رفتہ ملے تو حکومتوں کے عروج و زوال فیصلے ان کے ہاتھوں سے ہوں گے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ لوگ حکومتوں کے زوال و بقا فوج کے کردار کے معترف ہیں۔ صحافت کو اہم ستون سمجھتے ہیں۔ لیکن تعلیم کا کوئی نام نہیں لیا جا حالانکہ تعلیم ملکی نظام میں ریڑھ کی ہڈی ہے۔ اگر تعلیمی پالیسی کو تعمیری اصول پر مرتب کیا جائے تو سے قوم کو ترقی ملے گی۔ اور دنیا پر غلبہ کے مواقع پیدا ہوں گے۔ آپ مسلمانوں کی عظمت رفتہ دیکھ جب انہوں نے علم کو عبادت کا درجہ دیکر حاصل کیا تو دنیا پر انہوں نے حکمرانی کی۔ لیکن جب مسلمانوں نے اس میدان سے پہلو تہی کر کے اس میدان کو دوسرے لوگوں کے حوالہ کیا تو مسلمان قیادت بجائے دوسروں کے زیر احسان بننے میں سعادت سمجھنے لگے۔

میری آخری گذارش ہے کہ عوام تو در کنار بلکہ پڑھے لکھے لوگ بھی ایک بڑی غلط فہمی میں ہیں۔ وہ مدارس اور سکول و کالج میں ایسے فاصلوں کے قائل ہیں جنہیں طے کرنا انسان کی وسعت

باہر ہے۔ مسٹر اور ملا کے عنوان سے ایسی خلیج قائم ہے۔ جو آسانی سے ختم نہیں ہو سکتی۔ اگر ہم تعلیم کے بنیادی اہداف میں تبدیلی لا کر عبادت کا نظریہ اپنائیں تو یہ فاصلے بھی ختم ہوں گے۔ نفاذ شریعت کونسل کے چیرمین کی حیثیت سے ہم نے ایم ایم اے کی موجودہ صوبائی حکومت کو اس سلسلہ میں ایک اہم تجویز دی ہے۔ جس پر آپ حضرات کام کر کے کامیابی سے ہمکنار کرا سکتے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ سکول اور کالج میں موجودہ دینیات کا نصاب یقیناً ناقص ہے۔ اس سے ایک مسلمان معاشرہ کی عکاسی کبھی نہیں ہوتی اور نہ اس سے مذہب وعقیدہ کے لوگ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر میٹرک کی سطح پر نویں جماعت سے سائنس اور آرٹس گروپ کی طرح ایک تیسرے گروپ کا اضافہ کیا جائے جس کو Islamic Study اسلامک سٹڈیز کا نام دیں۔ اس گروپ کو ایم اے اور پی ایچ ڈی کی سطح تک منظم کیا جائے۔ ایم اے تک پہنچنے کے لئے آٹھ سال کے تعلیمی دورانیہ میں لازمی مضامین انگلش اردو وغیرہ کے ساتھ ساتھ ایک بچہ جملہ درس نظامی آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ آج تک ہمارے ایم اے اسلامیات کا نصاب تعلیم ایک مفروضہ سے کم نہیں۔ اتنی بڑی ڈگری کے حصول کے لئے تعلیمی معیار نہایت ناقص ہے۔ کیونکہ نچلی سطح پر دینی علوم پڑھانے کا کوئی خاص اہتمام نہیں۔ اگر آٹھ سال کے اس دورانیہ کے لئے ایک نئے سرے سے نصاب مرتب کیا جائے تو وہ دن دور نہیں کہ ہماری یونیورسٹیوں سے جامعہ ازہر اور دوسری عرب یونیورسٹیوں کی طرح علماء اور فضلاء نکلیں گے۔ اور اس طریقہ کار کو اپنانے سے ایک طرف مدارس اور کالجوں میں فاصلے کم ہوں گے۔ اور معاشرہ کو ایسے لوگ میسر ہوں گے جن کی نظر یں عصری علوم کے علاوہ دینی علوم پر رہیں گی۔ ایسے اداروں سے نکلنے والے لوگ جب حکومت میں آئیں گے تو اخلاقیات اور دینی اقدار کے علمبردار ہو کر معاشرہ کے تعمیری کردار کے لئے فکر مند ہوں گے۔ ممکن ہے دینی مدارس والے بھی آگے جا کر اپنی ضرورت کا احساس کر کے عصری علوم کو اپنے نصاب میں جگہ دیں۔ لیکن یہ تب ہو سکتا ہے جب اعتماد کی فضا قائم ہو۔ آج تک سرکاری سطحوں پر مدارس کی اصلاح کے لئے جو محنت ہوئی ہے اور مدارس کو قریب لانے کے لئے جس نہج پر کام ہوا ہے اس کا ردعمل ہمیشہ کے لئے منفی رہا۔ کیونکہ اس میں خیر خواہی کی بجائے انتقامی جذبہ کارفرما رہا۔ آج تک مدارس والوں کو یہ اعتماد نہیں ہے کہ آپ لوگ بھی مدارس کی اصلاح کے بارے میں سوچتے

ہیں- میرے خیال میں کچھ حد تک مدارس والے حق بجانب بھی ہیں- آخر کار امریکہ کو کہاں کی پریشانی ہے کہ مدارس کے لئے گرانٹ منظور کرے- اور حکومت کو اس لئے ڈالر دے کہ اس سے مدارس کی اصلاح ہو- وہ اصلاح کی بجائے تخریب کے لئے کوشاں ہے- اگر امریکہ کا زور چلے تو وہ مدراس کو ایک دن کے لئے موقعہ دینے کے حق میں نہیں- ایسے عوامل کی روشنی میں جب حکومت کی مختیں ہوں تو مدارس والے اس پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں؟ جبکہ تا حال بھی حکومتوں نے جو مختیں کیں وہ بظاہر ایک تھیں اور پس منظر میں کچھ اور رہیں- اور ہمیشہ کے لئے مدارس کو اس بے جا مشکلات سے دوچار کیا- اس خلیج کو ختم کرنے کے لئے آپ ماہرین تعلیم ہیں- آپ آگے آئیں اور دینی اداروں کی مختوں کی ابتداء سکول اور کالج سے کرائیں- کیونکہ عصری اداروں میں دین کی ضرورت ہے- اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی مدارس کو عصری علوم کی ضرورت ہے- لیکن میں کہتا ہوں عصری اداروں کو دینی علوم کی ضرورت اس سے چنداں زیادہ ہے- اور ہمیں یہ بھی یقین ہوگا کہ دینیات کا ہمارا موجودہ نصاب یقیناً نامکمل ہے- میں آپ سب حضرات کا تہہ دل سے شکرگزار ہوں کہ آپ حضرات نے اس علمی محفل میں مجھے شرکت کا موقعہ فراہم کیا-

والعصر ان الانسان لفی خسر

مفتی غلام الرحمٰن

سیقول السفہاء من الناس ماولھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق والمغرب ط یھدی من یشاء الی صراط مستقیم o

ترجمہ- بے وقوف لوگ یقیناً کہیں گے کہ مسلمانوں کو قبلہ تبدیل کرنے پر کس چیز نے مجبور کیا آپ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے مشرق و مغرب کی حکمرانی ہے وہ جس کو چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے-

محاسن-

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے پر مامور تھے- ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے پر بھی ابتدا میں یہی حکم تھا- لیکن آپؐ کی دلی تمنا تھی کہ ﴿کعبہ﴾ کو قبلہ قرار دیا جائے- اللہ تعالیٰ کو یہ بھی منظور تھا کہ قبلہ میں تبدیلی ہوگی- لیکن اس کے خلاف دشمنان اسلام ضرور پروپیگنڈے کرتے رہیں گے- خاص کر مدینہ منورہ کے قرب و جوار میں رہائش پذیر یہود اور مدینہ کے منافقین اسلام، بیک آواز ہو کر مسلمانوں کو بدظن کرانے کی کوشش کریں گے- چنانچہ منصب رسالت پر ایسے اعتراض، کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو آئے دن قبلہ تبدیل کرتے رہتے ہیں سے تفصیلی جواب دیا جا رہا ہے- تقریباً نو آیات میں یہ جواب مختلف انداز سے دیا جا رہا ہے- زیر نظر اس آیت میں اس شبہ کا اجمالی جواب دیا جا رہا ہے- اور تحویل قبلہ سے پہلے بتایا گیا کہ بے وقوف لوگ یقیناً یہ پروپیگنڈا کرتے رہیں گے کہ وہ کونسے عوامل ہیں جن سے مجبور ہو کر مسلمان قبلہ تبدیل کرنے پر آمادہ ہوئے- کل تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھ رہے تھے- اور آج اچانک کعبہ کی طرف حکم دیئے لگے- اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے پیغمبر! آپؐ ان کو کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے- وہ جس طرف کا بھی ہمیں کہے ہمیں ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں- ہم حکم کے پابند ہیں-

Scanned with CamScanner

کل تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے پر مامور تھے- آج ہمیں کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہمارا اس میں کوئی ذاتی دخل نہیں یہ اس کی مرضی ہے جس سے چاہے سیدھے راستے کی رہبری فرمائے-

تعیین قبلہ کی ضرورت-

اسلام مستقل نظریہ حیات کا حامل ہے اور قیامت تک آنے والی انسانیت کے لئے رہنمائی اور رہبری کے اصول مہیا کرتا ہے- اس سے گذشتہ ادیان کا تشخص باقی نہ رہا اور نہ ان کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے- اس لئے استقلال اور انفرادیت کی بناء پر ایک مستقل قبلہ کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی- ویسے بھی عبادت کے وقت توجہ مرکوز رکھنے کے لئے کسی خاص جہت کی تعیین ضروری تھی- تا کہ معبود حقیقی کی عبادت میں یکسوئی رہے اس لئے نماز کی فرضیت کے وقت سے قبلہ کا تصور تھا-

نسخ قبلہ ایک دفعہ ہے یا دو؟

بعض علماء کے نزدیک ابتداء میں تعین قبلہ اختیاری تھا یعنی بیت المقدس یا کعبہ جس طرف بھی چاہتے آپؐ توجہ کر سکتے تھے- تاہم جبرائیل نے آپؐ کی طبعی میلان کو دیکھتے ہوئے کعبہ کی طرف نماز پڑھائی- بعدازاں بیت المقدس کی طرف توجہ کرنے کی تعیین کرائی گئی- لیکن مکہ مکرمہ میں آپؐ رکنین کے درمیان کھڑے ہو کر بیت المقدس کی طرف توجہ کرتے ہوئے کعبہ کی طرف بھی توجہ رکھتے- لیکن مدینہ منورہ آنے پر کعبہ اور بیت المقدس مخالف سمت میں واقع ہونے کی وجہ سے دونوں کی طرف توجہ کرنے کی صورت باقی نہ رہی تو بیت المقدس کی طرف رخ کر کے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی تمنا بھی دل میں موجزن تھی- جس کے لئے آخری حکم آ کر کعبہ کو مستقل قبلہ قرار دیا گیا- اس توجیہ کی بناء پر تحویل قبلہ میں نسخ ایک بار آیا ہے- یعنی پہلے بیت المقدس قبلہ تھا اور پھر مدینہ منورہ میں کعبہ قبلہ قرار دیا گیا- لیکن دوسرے حضرات کے نزدیک تحویل قبلہ ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ ہوئی مکہ مکرمہ میں مشرکین کے میلان کے لئے کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا- لیکن ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں یہود کو راغب کرانے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ قرار دیا- لیکن یہود کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے الٹا یہ

اعتراض کرنے لگے کہ آپ ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کے باوجود ہماری مخالفت کیوں کرتے ہیں؟ اس لئے دوبارہ حکم آ کر کعبہ کو قبلہ قرار دیا گیا یوں پھر نسخ دو دفعہ ماننا پڑے گا-

نسخ کو ایک دفعہ یا دو دفعہ ماننا پڑے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول تھا- اس وقت قبلہ ہونے کی وجہ سے اس کے تقدس اور حرمت کا حکم ایسا تھا جیسا کہ نسخ کے بعد کعبہ کا ہے- لیکن نسخ کے ساتھ وہ عظمت رفتہ باقی نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ عام علماء کے نزدیک کعبہ کے احترام کی وجہ سے قضائے حاجت کے وقت استقبال اور استدبار کی حرمت وعدم حرمت میں اختلاف ہے- لیکن جمہور کے نزدیک بیت المقدس کا یہ حکم نہیں- تحویل قبلہ کے فلسفہ سے نابلد لوگوں کو قرآن کریم نے بے وقوف کہا کیونکہ عقلمندی یہی ہے کہ رموز معرفت سے آگاہی ہو اور اللہ تعالی کے احکام کی حکمت اور فلسفہ جان لیا جائے- چنانچہ احکام الہی کے رموز اور حکمتیں بیان کرنے والوں کو ﴿حکیم الامت﴾ کا نام دیا جاتا ہے- اور یہ معاشرہ کے عقلمند لوگ ہوتے ہیں قرآن نے دوسری جگہ ایسے لوگوں کو ﴿اولوالالباب﴾ کا خطاب دیا ہے- یعنی یہی لوگ عقل والے ہیں-

وكذلك جعلنكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا ط وما جعلنا القبلة التى كنت عليها الا لنعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على عقبيه وان كانت لكبيرة الا على الذين هدى الله وما كان الله ليضيع ايمانكم ان الله بالناس لرؤف الرحيم o

ترجمہ-

یہی تو ہمارا کمال ہے کہ تم کو اعتدال پسند امت بنایا تا کہ تم اقوام سابقہ پر گواہی دے سکو اور پیغمبر تم پر گواہی دے- اور ہم نے تمہارا گذشتہ قبلہ (بیت المقدس) مستقل نہیں بنایا تھا- بلکہ محض اس لئے کہ رسول کی تابعداری کرنے والوں کو مرتد ہونے والوں سے علیحدہ کریں یقیناً یہ معاملہ بڑا سخت تھا- مگر ان لوگوں کے لئے نہیں جنہیں اللہ تعالی نے ہدایت کی توفیق بخش دی ہے اور اللہ تعالی تمہارے مومنانہ اعمال ضائع نہیں کرتے- بے شک وہ لوگوں کے بارے میں حد سے زیادہ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں-

Scanned with CamScanner

محاسن -

یہ تحویل قبلہ کے شبہ کا دوسرا تفصیلی جواب ہے-تم کرہ ارض پر ممتاز امت ہو-تمہیں ہم نے اعتدال پسند امت بنا کر بھیجا ہے-تمہیں ایسی خوبیاں دی ہیں جو دوسری امتوں کو نصیب نہیں ہوئیں تمہیں کیا اندازہ ہے؟ کہ گذشتہ اقوام کا اپنے انبیاء کے ساتھ دربار خداوندی میں مباحثہ کے وقت گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا-اور تم قرآنی علوم کی روشنی میں انبیاء سابقہ کے حق میں گواہی دو گے-جبکہ یہ پیغمبر وہاں پر تمہاری تصدیق کریں گے-اتنی عظمت کسی دوسری امت کو نہیں ملی - اس لئے تمہاری عظمت کا تقاضا تھا کہ تمہیں عظمت والا قبلہ ملے جو ﴿ کعبہ ﴾ ہی ہے کیونکہ یہ کرہ ارض پر پہلے معرض وجود میں آنے والا گھر ہے اور پھر اس میں حضرت ابراہیم کی محنت بھی شامل ہے- کیونکہ اس کی تعمیر میں آپؑ نے بیٹے کے ساتھ شریک ہو کر حصہ لیا تھا-حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ﴿کذالك ﴾ میں کاف کو تشبیہ کمال کے لئے قرار دینا زیادہ مناسب ہے یعنی جیسا کہ تمہیں ﴿خیر الامم﴾ قرار دینا ہمارا کمال ہے ایسا ہی کعبہ کو تمہارے لئے قبلہ قرار دینا بھی ہمارے کمال کی نشانی ہے-

آیت میں ﴿بیت المقدس﴾ کو قبلہ قرار دینے کی یہ حکمت بیان کی گئی کہ اس کی تقرری مستقل نہیں تھی بلکہ یہ ﴿ کعبہ ﴾ کے قبلہ قرار دینے کی ابتدائی محنت تھی گذشتہ کتابوں میں آپؐ کے بارے میں یہ کہا گیا تھا کہ آپؐ ﴿ذو قبلتین ﴾ ہوں گے اسلئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ ایک طرف آپ کی یہ صفت ثابت ہو-اور دوسری طرف ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان نمایاں فرق محسوس ہو سکے-چنانچہ تحویل قبلہ کے موقعہ کئی لوگوں کو ایمان سے ہاتھ دھونا پڑا-جب کہ مخلصین کو اللہ تعالی نے استقامت سے نوزا - امر خداوندی کے سامنے کسی لب کشائی کی ضرورت محسوس نہیں کی ورنہ یہ کتنا دشوار گذار مرحلہ ہوتا ہے کہ یکدم تحویل کا حکم ملے- تاہم جن کو اللہ تعالی نے ہدایت کی توفیق بخشی ہو،ان پر یقیناً ایسے رموز اثر انداز نہیں ہوتے -بعض روایات میں ہے کہ کچھ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس سے پہلے ہم نے بیت المقدس کی طرف جو نمازیں پڑھی ہیں کیا ان کا ثواب ہمیں دیا جائے گا یا نہیں؟ اللہ تعالی نے فرمایا-وہ تمہاری مومنانہ اعمال ہیں ایسے اعمال کی قدر کی جاتی ہے- اللہ تعالی کے دربار میں تمہارے یہ اعمال ضائع نہیں ہوں گے- آخر کار تمہاری

محنت رائگان کیسے جائے گی؟ جبکہ اللہ تعالی لوگوں پر حد سے زیادہ مہربان اور رحم کرنے والے ہیں-

احکام الھی پر عمل کے اثرات

آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین پر چلنے کے لئے اکسیر نسخہ اعمال کی رعایت ہے- ایمان کی حفاظت کا واحد ذریعہ اعمال پر توجہ ہے- جب تک زندگی میں اعمال پر زور ہوگا تو دین پر چلنا آسان رہے گا- ورنہ اعمال سے غافلانہ رویہ اختیار کرنے پر ایمان ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہوتا ہے اعمال پر مداومت کی یہ برکت ہوتی ہے کہ تمام دین پر عمل کرنے کی توفیق ملتی ہے- اور شکوک وشبہات کی دنیا سے نکل کر یقین اور اطمینان کے مراحل تک مسلمان پہنچتا ہے-

چنانچہ تحویل قبلہ جیسے مشکل ترین مرحلہ پر جن صحابہ کا ایمان محفوظ رہا وہ ان کے اعمال اور اتباع نبوی کی برکت تھی ورنہ منافقین یا وہ لوگ جن کے پاس حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کی قدر نہیں تھی تذبذب کے شکار ہو کر ایمان کھو بیٹھے- آج کے اس پرفتن دور میں بچنے کا واحد ذریعہ یہی ہے کہ نجی اور اجتماعی زندگی میں اعمال پر زور دیا جائے زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ رہے جس میں دینی اقدار اجاگر نہ ہو اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عیاں نہ رہے-

قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضها فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ماكنتم فولوا وجوهكم شطره وان الذين اوتوا الكتب ليعلمون انه الحق من ربهم وما الله بغافل عما يعملون o

ترجمہ -

تبدیل قبلہ کا شدت شوق سے بار بار آسمان کی طرف منہ اٹھانے کا ہمیں یقیناً احساس ہے- ہم تمہیں تمہاری پسند کے قبلہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیں گے- پس لو مسجد حرام کی طرف نماز میں منہ پھیر دو اور جہاں کہیں تم ہو (نماز پڑھتے وقت) قبلہ کی طرف منہ پھیرتے رہو اور جن کو گذشتہ کتاب دی گئی ہے وہ یقیناً جانتے ہیں کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم ان کے رب کا درست فیصلہ ہے- اس کے باوجود ان کے معاندانہ کردار سے اللہ تعالی بے خبر نہیں-

Scanned with CamScanner

محاسن-

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدنی زندگی کے اوائل میں بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے-اور دل میں یہ موجزن رہا کہ کعبہ کی طرف توجہ کرنے کا حکم کب آئے گا؟ چنانچہ آسمان کی طرف چہرہ انور اٹھا کر وحی کا انتظار کرتے رہے- اللہ تعالی نے انتظار کی گھڑیوں کے خاتمہ کا اعلان کرکے ﴿کعبہ﴾ یعنی مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا- یہ بھی فرمایا کہ صرف آپ نہیں بلکہ پوری امت جہاں بھی ہو تمام کے لئے یہ حکم ہے کہ مسجد حرام کی طرف منہ پھیر دیں-تحویل قبلہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ گزشتہ کتاب والوں کو بھی اس کی حقانیت کا احساس ہے-اس کے باوجود ان کے پروپیگنڈوں سے اللہ تعالی بے خبر نہیں-

داستان تحویل قبلہ

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک سال پانچ مہینے اور تین دن بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی-سن ۲ھ شعبان کی پندرہ تاریخ کو تبدیلی کا حکم آیا مستند روایات کے حوالے سے آپ بشر بن براء بن معرور کی دعوت پر بنی سلمہ تشریف لے گئے تھے-ظہر کی نماز کے وقت مسجد بنی سلمہ میں تحویل کا حکم آیا-اس لئے اس مسجد کو ﴿ذو قبلتین﴾ کا نام دیا گیا اور مسجد نبوی میں عصر کی نماز میں تحویل قبلہ کا مشاہدہ کرایا گیا-اور رفتہ رفتہ یہ خبر دوسری مساجد تک پھیلنے لگی- اگر چہ تاریخی حوالے سے کچھ اور واقعات بھی مذکور ہیں-لیکن زیادہ تر سہارا ان روایات کیا لیا جاتا ہے- چونکہ باقاعدہ اجتماعی اعلان کا کوئی خاص منظم پروگرام نہیں تھا- تاکہ تمام امت کو بیک وقت آواز پہنچ سکے- اس لئے ہر ایک نے اپنے اپنے علم کے مطابق بات نقل کی-

قبلہ کے تعین کے لئے جدید آلات کا سہارا

قبلہ بنیادی طور پر ﴿کعبہ﴾ ہے لیکن آیت میں مسجد حرام کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے-اس سے امت کے لئے یہ آسانی پیدا ہوئی کہ عین کعبہ کی طرف منہ کرنا مسجد حرام سے باہر لوگوں کے لئے ممکن نہیں تھا-اس لئے صرف مسجد حرام کی سمت کی طرف توجہ کرنا کافی ہے- تاہم مسجد حرام کے اندر نماز پڑھنے والوں کی نظر جب کعبہ مبارک پر پڑے تو اس میں عین کعبہ کو منہ کرنا ضروری

ہے-

موجودہ وقت میں ماہرین فن نئے آلات اور ذرائع کے سہارے سے قبلہ کا تعین کرتے ہیں جنہیں سمجھنے کے لئے محنت کی ضرورت ہے-فقہاء کی عبارات میں عام فہم اور سادہ طریقے بھی ملتے ہیں-جن کے ذریعے سے قبلہ کے تعین ہو سکتی ہے-علامہ ابن عابدین کا کہنا ہے کہ موسم گرما کے لمبے دنوں میں سورج غروب ہونے کی جگہ کو سامنے رکھتے ہوئے، اور موسم سرما کے چھوٹے دنوں میں سورج غروب ہونے کی جگہ متعین کی جائے تو مقررہ فاصلہ تین حصوں میں تقسیم کرکے دائیں طرف سے ۲/۳ اور بائیں طرف سے ۱/۳ پر قبلہ ہوگا- تاہم اس میں بھی کمی وزیادتی قابل تحمل ہے- چنانچہ بعض فقہاء نے گرمی اور سردی کے سورج غروب ہونے کی جگہ کے درمیان کو قبلہ قرار دیا ہے-ہمارے ان علاقوں میں قبلہ کے تعین کے لئے یہ آسان طریقہ ہے-قبلہ کے تعین میں بنیادی چیز تحری ہے- اور یہ ضروری ہے کہ نمازی کو قبلہ ہونے کا یقین آجائے- اس کے لئے ماہرین سے پوچھا جا سکتا ہے اور جدید آلات قطب نما یا دوسرے ذرائع کے استعمال میں بھی کوئی حرج نہیں- نئی مساجد بناتے وقت ان آلات کے ذریعہ قبلہ کا تعین زیادہ مناسب ہے تاکہ عوام بے جا شبہات میں واقع نہ ہوں- بسا اوقات لوگ جیب میں کم پاس رکھ کر جس مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو وہاں کے قبلہ کو دیکھتے ہیں اور کسی ادنی انحراف کو ناقابل برداشت سمجھتے ہیں- اس لئے ان شبہات کے ازالہ کے لئے ابتداء ہی سے ان آلات کی رعایت ضروری ہے- البتہ جو قدیم مساجد ہوں تو ان میں ادنی انحراف کے لئے محراب کو چھوڑ کر صفیں تبدیل کرنا مناسب نہیں ایسی صورت میں معمولی انحراف قابل تحمل ہے-فقہاء کی عبارات میں توسیع پائی جاتی ہے-قرآن نے ﴿فول وجهك شطر المسجد الحرام﴾ کہہ کر وسعت کی طرف اشارہ کیا کیونکہ مسجد حرام کی طرف کا دائرہ وسیع ہے اور اس میں کافی گنجائش ہے-

Scanned with CamScanner

جمہوریت

مفتی ذاکر حسن نعمانی

لغوی معنی : جمہوریت کو انگریزی میں DEMOCRACY کہتے ہیں۔ یہ انگریزی زبان کی ایک سیاسی اصطلاح DEMOCRATE کا اردو ترجمہ ہے جو دو یونانی الفاظ سے مل کر بنا ہے (الف) DEMOS جس کا مطلب ہے عوام (ب) CRATE جس کا مطلب ہے طاقت یا حاکمیت۔ یعنی ایسی حکومت جس میں عوام کی طاقت، اصل طاقت ہو

تعریف : (۱) ابراھیم لنکن کے نزدیک

Government of the People for the people and by the People عوام کی وہ حکومت جو عوام کے ذریعہ اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہو۔

تبصرہ : تمام افراد ملک کے انتظامات کو اپنی مرضی کے مطابق متعین نہیں کر سکتے ۔ خواہشات، جذبات، احساسات، رغبتیں اور طبیعتیں جدا جدا ہیں۔ سب ہر ایک کی مرضی کا لحاظ نہیں رکھ سکتے ۔ اس تعریف کے مطابق حاکم بھی عوام اور محکوم بھی عوام ہیں۔ لہذا کون کس پر حکومت کرے گا؟ اس لئے اس تعریف کی توجیہ کرتے ہیں ایسی حکومت جو عوام ہی کی خاطر وجود میں آتی ہے اور عوام ہی کے ذریعے اس کی تشکیل ہوتی ہے۔

(۲) ڈائیسی کے نزدیک :

A Government in which everyone has a share ایسی حکومت جس میں ہر شہری کا حصہ ہو۔

تبصرہ : ملک کے ہر فرد میں قانون بنانے یا ملک چلانے کی اہمیت نہیں ہوتی کوئی حاکم ہوگا کوئی محکوم۔ اگر ملک کا ہر فرد حکومت میں دخل اندازی شروع کر دے تو لاقانونیت پیدا ہوگی بلکہ جنگل کا قانون بن جائے گا۔

(۳) پروفیسر سیلے Seeley : وہ حکومت جس میں زیادہ سے زیادہ عوام شامل ہوں۔

(٤) گیٹل کے نزدیک : وہ حکومت جس میں عامۃ الناس کو اقتدار اعلیٰ کے استعمال میں شریک ہونے کا حق حاصل ہو۔

برائس کے نزدیک : وہ طرز حکومت جس میں متعدد شہریوں کی اکثریت کی رائے حکمرانی کرتی ہو۔

خلاصہ : ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ عوام کی حکومت یا عوام کی اکثریت کی حکومت یعنی نظم و نسق میں عوام کا عمل دخل اور ان کی رائے کا اہتمام ہوگا۔ جمہوریت میں حاکم اعلیٰ عوام ہوتے ہیں اسی سے مشہور جملہ لوگوں کی زبان پر جاری ہوا ﴿ طاقت کا سرچشمہ عوام ﴾ گویا ڈیموکریٹ کا ترجمہ ہے۔ جیسا کہ لغوی تشریح میں یہ بات گزر چکی۔

اقسام : جمہوریت کی دو قسمیں ہیں۔ بالواسطہ اور بلا واسطہ جمہوریت۔

بلاواسطہ جمہوریت میں عوام براہ راست اقتدار اعلیٰ میں شریک ہوتے ہیں۔ قدیم یونانی شہروں میں ایسا ہوتا تھا۔ اس وقت ایسا ممکن تھا۔ چھوٹے شہر تھے۔ تمام لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا اور ملکی نظم و نسق میں حصہ لینا آسان تھا۔ اس لئے کہ آبادیاں محدود ہوتی تھیں۔

بالواسطہ : اس کو نمائندہ جمہوریت بھی کہتے ہیں۔ آبادی کی وسعت کی وجہ سے تمام لوگ براہ راست حصہ نہیں لے سکتے ۔ اس لئے ایک جماعت کو ووٹوں کے ذریعے منتخب کرتے ہیں۔ آج کل ساری دنیا کی جدید حکومتوں میں یہی سسٹم رائج ہے۔ عوام کی نمائندہ جماعت حکومت کرتی ہے۔ ہر ملک میں آبادی کی وسعت نے یہ ثابت کر دیا کہ جمہوریت بلا واسطہ کسی ملک میں بھی ممکن نہیں۔ یعنی ملک کے تمام افراد براہ راست ملکی نظم و نسق میں حصہ نہیں لے سکتے ۔ جمہوریت کی تعریفوں کو سامنے رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ بالواسطہ جمہوریت، جمہوریت کی ناکامی کی پہلی سیڑھی ہے۔ اس لئے کہ منتخب حکومت کے علاوہ ملک کے تمام افراد اور حزب اختلاف کی سب جماعتیں ملکی نظم و نسق میں حصہ لینے سے محروم ہو جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ روزانہ جلسے اور جلوس نکلتے ہیں۔ پھر ان جلسے اور جلوسوں کو بھی جمہوریت کا ایک حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر جمہوری حاکم جلسے اور جلوس پر پابندی لگائے تو اس کو ڈکٹیٹر اور آمر کے نام

Scanned with CamScanner

سے پکارتے ہیں- اسی افراتفری میں جمہوری حکومت پانچ یا چار سال پوری کرتی ہے- بلکہ بعض حکومتیں تو بہت جلد اپنی مدت پوری کرنے سے قبل ختم ہو جاتی ہیں- کبھی عوام اور مخالف پارٹیاں مڈٹرم (درمیانی وقفہ) الیکشن کا مطالبہ کرتی ہیں- مڈٹرم الیکشن میں برسر اقتدار پارٹی ہار جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک جمہوری حکومت ناکام ہوگئی- جیتنے والی پارٹی نئی جمہوری حکومت بناتی ہے- گویا ہر زمانہ میں ہر جمہوری حکومت غیر مستحکم ہوتی ہے ہر وقت زوال کا خطرہ ہوتا ہے- ایسی حکومت جس کے لئے ہر وقت خطرے کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اس کو جمہوری حکومت کہتے ہیں-

تنقید: ایک نقاد نے کہا ہے A Government of the Cattle by the cottle and for the cattle.

جانوروں کی حکومت جو جانوروں کے ذریعے ہو اور جانوروں کے لئے ہو- کارلائل کہتا ہے- چونکہ ایک سیانے کے مقابلے میں نو بے وقوف ملتے ہیں اس لئے جمہوریت بے وقوفوں کی حکومت ہے-

سر ہنری (Sir Henry) لیکے اور لڑیٹکے کے نزدیک جمہوریت تہذیب اور ثقافت کی ترقی کی راہوں کو مسدود کر دیتی ہے کیونکہ عوام روایتی خیالات کے مالک ہوتے ہیں اور وہ پراگریسو اقدار کو قبول نہیں کرتے-

علامہ اقبال فرماتے ہیں

گریز از طرف جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از فکر دوصد خر عقل انسانی نمے آئید

جمہوری طرز حکومت سے بچ کر رہ ذی رائے اور عقل مند کا غلام بن جا کیونکہ دوسو گدھوں کی فکر سے ایک انسان کی عقل نہیں بنتی-

فرماتے ہیں-

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے -

لیکی (Leeky) کہتا ہے جمہوریت میں سب سے زیادہ غریب جاہل اور انتہائی نا اہل لوگوں کی

حکومت ہوتی ہے- یہ لوگ لازمی طور پر زیادہ ہیں- افراد کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا-

خامیاں: جمہور کا معنی ہے قوم کے بڑے اور اشراف لوگ- قوم کی جماعت، ہر چیز کا بڑا حصہ ہے- بظاہر عوام کی حکومت ہوتی ہے لیکن عملاً خواص کی حکومت ہوتی ہے- جمہوریت بھی شخصی حکومت ہوتی ہے بقول مولانا اشرف علی تھانویؒ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے کبھی حکمی فلسفہ کا مسئلہ ہے مجموعہ بھی شخص واحد ہے مگر واحد حکمی ہے- حقیقی نہی تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے- پارلیمنٹ میں ہر شخص آزاد نہیں کہ جو رائے دیدے وہی پاس ہو جایا کرے اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کس قدر آدمی کا دعوی صحیح ہوتا مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہوتا ہے- خلاصہ یہ کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو جمہوریت کے حامی تو تم بھی نہ رہے جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی ہے جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا ہے کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا نہ ایک بادشاہ کا نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا اور یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا- ہم تو ایک ہی کے غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا تم ہی فیصلہ کرلو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اسے بھی انکار نہیں مگر وہ بھی یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو-

(حکیم الامت کے سیاسی افکار ص ۲۹)

(۲) چونکہ جمہوری نظام صدیوں کے نظاموں کا ردعمل ہے- خود ساختہ، جابرانہ اور آمرانہ نظاموں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے وجود میں آیا کہ اب نظام مملکت کی باگ ڈور ایک آمر اور جابر کی بجائے عوام کے ہاتھ میں ہوگی- عوام کی اکثریت جاہل ہوتی ہے- اخلاقی قانون کی پابند نہیں ہوتی- جاہلانہ

Scanned with CamScanner

اور غیر اخلاقی قوانین روزانہ وجود میں آتے ہیں۔ مسلم ممالک میں غیر اخلاقی قوانین کم اور جاہلانہ قوانین زیادہ بنتے ہیں۔ جبکہ یورپی ممالک میں جاہلانہ کم اور غیر اخلاقی قوانین زیادہ بنتے ہیں۔ سب کا مطمع نظر عوام کا خوش کرنا ہوتا ہے۔ خواہ وہ قانون جہالت کی انتہا کیوں نہ ہو۔ یورپ اور کفار کے ممالک میں تو ایسے غیر اخلاقی قوانین بنتے ہیں جو نہ صرف غیر اسلامی ہوتے ہیں بلکہ وہ غیر انسانی بھی ہوتے ہیں۔ حیوانیت کی سطح سے بھی گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ خیر اور شر کا فی نفسہ تصور ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ جنسی بے راہ روی کی تمام آندھیاں انہی جمہوری نظاموں میں چلی ہیں۔ بد سے بدتر کام جائز ہو جاتا ہے۔ برطانیہ کے پارلیمنٹ نے لواطت کے قانون کا سند جواز تالیوں کی گونج میں دیا۔ جب جواز کا بل پاس ہوا تو راضی نہ تھے اختلاف رائے کو دور کرنے کے لئے کمیٹی بنی جس کا نام وولفنڈن تھا۔ کمیٹی نے رائے عامہ معلوم کر کے رپورٹ پیش کی کہ لواطت ایک بری شئی ہے۔ لیکن دشواری یہ ہے کہ ہمارے نظام میں اچھائی اور برائی کا تصور نہیں۔ افراد اپنے لئے خود قانون بنانے میں آزاد ہیں۔ قانون کا دائرہ اخلاق کے دائرے سے الگ ہے۔ اخلاق انسان کا ذاتی معاملہ ہے۔ اور قانون رائے عامہ کا مظہر ہے اگر رائے عامہ بداخلاقی کو جرم قرار نہ دے تو دونوں کا دائرہ کار الگ الگ رہے گا۔ قانون شر اور خیر کا فیصلہ نہیں کرتا لہٰذا ہم مجبوراً لواطت کے اس قانون کے نفاذ کے حق میں رائے دیتے ہیں۔ اس کے بعد دارالعوام (برطانیہ کا پارلیمنٹ) میں فیصلہ ہوا کہ لواطت کا قانون صحیح ہے اس کے بعد امریکہ میں یہ قانون پاس ہوا۔ امریکہ میں لوطیوں کی جماعتیں ہیں۔ مطالبے کرتے ہیں کہ مرد مرد کی اور عورت، عورت کی شادی جائز ہونی چاہئے۔ ایک دوست نے بتایا کہ ایک مرد کی دوسرے مرد سے شادی ہوئی۔ ٹی وی پر دکھلایا۔ خاوند مرد کے بچوں سے پوچھا گیا کہ آپ کیا محسوس کرتے ہیں۔ بچوں نے جواب دیا کہ منکوحہ مرد ہماری ماں ہے عورت کی عورت سے شادی کرانے والی تنظیم کا نام (Lesbion) ہے ہر ہفتہ ٹی وی پر (Gay) اور لیزبین کا پروگرام ہوتا ہے۔ امریکہ میں ایک مقیم صاحب نے بتلایا اس تنظیم کے مرد اور عورتوں کی خاص نشانیاں ہیں۔ کلنٹن اس تنظیم کا ڈائریکٹر ہے۔ ایک اور تنظیم ہے (Swap) ان کا مطالبہ تبادلہ ازواج کا ہے۔ اس کے لئے باقاعدہ کلب اور انجمن ہے۔ اب تک یہ قانون ہے کہ ایک عورت شادی کے بعد صرف اپنے خاوند کی ہوگی شادی شادہ عورتیں

زنا نہیں کر سکتیں۔ یہ پابندی کوئی شرعی یا اخلاقی نہیں صرف شوہر کے حق کی حفاظت کی خاطر ہے۔ سویپ کی آواز ہے کہ اس پابندی کو ختم کرو۔ شوہر والی بی بی دوسری عورت کے شوہر کے ساتھ منہ کالا کر سکتی ہے۔

(۳) مذہبی نقصان ۔

جمہوریت کی آزادی لوگوں کو مذہبی آزادی کی طرف لے گئی۔ یہ مذہبی آزادی سیکولرازم ہے۔ مسلم ممالک میں یہ سفر بڑی تیزی سے جاری ہے۔ سیکولرازم کا اپنا معنی بقول استاد مکرم مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دنیاویت ہے۔ بے دینی اور مذہبی آزادی اس کا ترجمہ نہیں بلکہ نتیجہ ہے۔ ایک الیکشن مہم کے دوران کس دیہات میں ایک نوجوان نے بڑے بااعتماد اور پرزور لہجہ میں ہمیں مخاطب کر کے کہا کہ اسلامی نظام نہیں سڑکوں اور پلوں کی بات کریں۔ یعنی دنیاوی نظام درست کرنے کی بات کرو۔ میں نے اس کو خاموش کرنے کے لئے جواب میں کہا کہ انگریز دور حکومت میں بڑی پختہ سڑکیں عمارتیں اور پل بن رہے تھے۔ آج بھی موجود ہیں۔ دنیاوی نظام بڑی عمدگی کے ساتھ چلا رہے تھے۔ خان عبدالغفار خان صاحب سمیت برصغیر کے مسلمان کیوں ان کے خلاف ہو گئے۔ تحریک آزادی کیوں چلی۔ دنیاوی نظام کو سب سے بہتر سمجھنے اور چلانے والوں کو اپنے ملک سے کیونکہ نکال باہر کر دیا۔ صرف اس لئے کہ ہمیں ایک سلامی نظام والہ آزاد ملک چاہئے یہ کہہ کر اس نوجوان کو خاموش کر دیا۔ یہ تو ایک مثال ہے ہمارے ملک میں کتنی حکومتیں بدل گئیں جو بھی آتا ہے دنیاوی نظام (معیشت، سیاست) کی درستگی کی بات کرتا ہے اور صرف یہی رونا روتا ہے عقائد اور اعمال بگڑ گئے ملکی اور حکومتی سطح پر کسی کو پرواہ نہیں۔ اسلامی نظام کے نام سے الرجک ہیں۔ الیکشن میں دنیاوی منشور پیش کرنے والی پارٹیاں جیت جاتی ہیں۔ اور اسلامی منشور پیش کرنے والی پارٹی ہار جاتی ہے حالانکہ اسلامی منشور والی جماعت دنیاوی نظام کی ترقی کی مخالف نہیں۔ یہ سیکولرازم نہیں تو اور کیا ہے۔ سیکولرازم کوئی دکھائی دینے والی یا ڈرانے والی بلا تو نہیں کہ ہمیں پکڑ کر جھنجھوڑے کہ میں سیکولرازم ہوں۔

Scanned with CamScanner

(٤) پانچ سال مدت :

بعض ممالک میں پانچ سال بعض میں چار سال بعد الیکشن ہوتا ہے- ہر پارٹی کا الگ منشور ہوتا ہے اگر برسر اقتدار پارٹی مخلص بھی ہو تو پانچ سال کے مختصر عرصہ میں ملک وقوم کو کیا ترقی دے گی۔ غیر مخلصین کا تو اچھا بہانہ ہے کہ پانچ سال میں کیا ہوسکتا ہے یا یہ بہانہ کرتے ہیں کہ اپوزیشن والے کام کرنے نہیں دیتے ، جمہوریت بھی بڑی عجیب شي ہے- اقتدار والے آزادی کے ساتھ جو کام کریں جمہوریت ہے اپوزیشن والے جلسے اور جلوس کی شکل میں برسر اقتدار پارٹی کیلئے روڑے اٹکائیں تو بھی جمہوریت ہے- کیونکہ احتجاج کرنے والوں پر پابندی لگانا خلاف جمہوریت ہے-حزب اختلاف اورحزب اقتدار کی کشمکش ایک جمہوری عمل ہوتا ہے- اگر جمہوریت واقعی اچھا نظام ہے تو اتنے اچھے نظام کو پانچ سال تک برقرار رکھ کر خود بخود ختم ہوجانا یا مدت مقررہ سے قبل ختم کرنا کیوں جائز ہے- معلوم ہوتا ہے کہ اس نظام کو خود اپنے اوپر اعتماد نہیں- صحیح اصلاحی تنقید ہر شہری کا حق ہے-لیکن اس نظام کے تحت حق تنقید کی آڑ میں ہر کہہ ومہہ جائز و ناجائز بات حکومت سے منواتا ہے کارٹون کے ذریعہ مسلمانوں کی تضحیک،غیبت اور بدزبانی روزمرہ کا مشغلہ ہوتا ہے-

(۵) جمہوریت اور الیکشن :

مڈٹرم یا مدت پوری کرنے کے بعد الیکشن ہوتا ہے جس میں کروڑوں روپیہ صرف کیا جاتا ہے -حکومت بھی خرچہ کرتی ہے اور امیدوار بھی بے دریغ دولت خرچ کرتے ہیں- الیکشنی سیاست کوریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے اگر کوئی امیدوار نہ ووٹ مانگتے نہ تقریر کرے پھر بھی اس کا مطلب یہ ہوتا ہے- کہ میرے سوا تمام امیدوار بے کار ہیں اصل ووٹ اور کامیابی کا حقدار میں ہوں کبھی تقریر میں امیدوار اپنے نقائص کو چھپا کر ان کی نفی کر دیتا ہے یہ ہے-

سبحان اللہ- یعنی اللہ تمام عیوب سے پاک ہے- پھر اپنے لئے بے شمار ادعائی خوبیاں ثابت کرتا ہے یہ ہے الحمدللہ یعنی اللہ تعالی تمام خوبیوں کا مالک ہے ایسا فرد جو نقائص سے پاک اور

خوبیوں سے آراستہ ہو وہ سب سے بڑا ہوتا ہے اور اس کو کہتے ہیں اللہ اکبر- اللہ سب سے بڑا ہے- اس کے بعد امیدوار کہتا ہے- میرے سوا ووٹ کا کوئی حقدار نہیں- یہ ہے لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں- ان سب باتوں کو ملا کر دیکھو تو اس سے تیسرا کلمہ بن جائے گا- ہمارے ہاں لاشعوری طور پر تقریباً ہر امیدوار اس تیسرے کلمہ کو اپنے اوپر چسپاں کرتا ہے- اور جب الیکشن جیت لیتا ہے تو لوگوں سے کہتا ہے میں واحد لاشریک ہوں ورنہ مقابل ہرگز نہ ہارتا-

تصوف میں اخلاق رذیلہ کا ازالہ ہوتا ہے لیکن اس کا الیکشنی سیاست میں تمام برے اخلاق کی زبردست نشوونما ہوتی ہے امیدوار یہ محسوس ہی نہیں کرتا کہ میں کوئی گناہ بھی کر رہا ہوں-

(٦) نااہل حکومت :

جمہوریت میں نااہل حکومت بننے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں- پارٹی کسی بھی فرد کو الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دے سکتی ہے- فرد میں اچھی صفات یا تعلیم کا لحاظ نہیں رکھا جاتا - ویسے بھی جمہوریت میں صفات کی قدر نہیں- حالانکہ دنیا میں صفات کی بنیا پر قیمت لگتی ہے تعریف ہوتی ہے خوبصورتی پیدا ہوتی ہے-نوکریاں ملتی ہیں- جنت اور دوزخ کا فیصلہ بھی صفات پر ہوتا ہے- ایمان انسان میں ایک اعلی اچھی اور جنتی صفت ہے-لوگ مجبوراً نظریاتی بنا پر اس امیدوار کو ٹکٹ دیتے ہیں- حالانکہ وہ ووٹ کا حقدار نہیں ہوتا- جو ممبر بن سکتا ہے وہ وزیراعظم بھی بن سکتا ہے- اس طرح پوری منتخب ہونے والی کابینہ میں اس بات کا احتمال ہوتا ہے کہ نااہل لوگ ہوں

(۷) عوام کا دخل :

بظاہر تو عوام کا دخل ہوتا ہے لیکن الیکشن میں صرف ایک پارٹی کامیاب ہوتی ہے- وہ برسر اقتدار پارٹی بہت کم افراد کی نمائندہ جماعت ہوتی ہے ہمارے ملک میں برسر اقتدار جیتنے والی پارٹی کل ایک کروڑ ووٹ حاصل نہیں کرسکتی -تو چودہ کروڑ کی نمائندہ کیسے بن گئی- پھر برسر اقتدار پارٹی اپنی مرضی کی پالیسیاں وضع کرتی ہے- حالانکہ عوام کا ان پالیسیوں کے ساتھ شدید اختلاف ہوتا ہے میرے

Scanned with CamScanner

خیال میں جمہوریت نے صرف عوام کو ووٹ کا حق دیا ہے اس کے علاوہ عوام مجبور محض ہیں۔

(۸) جمہوری حکومت :

پارلیمانی نظام اور جمہوری نظام میں دوئی کی وجہ معلوم نہیں ہوتی - ایک وزیر اعظم ہوگا ایک صدر اور سربراہ، ایک وزیر اعلیٰ ہوگا ایک گورنر، ایک ایوان بالا سینٹ ہوتا ہے ایک ایوان زیریں اسمبلی ہوتی ہے- صدر، گورنر اور سینٹ خزانے پر مستقل بوجھ ہیں- آپس کی چپقلش بھی قائم رہتی ہے، کبھی پارٹی کی اکثریت نہیں ہوتی تو مخلوط حکومت بنتی ہے- دو متضاد گروپ کام کرتے ہیں- اگر آپس کی چپقلش ختم کر دی تو اپنے مفاد کی خاطر مفاہمت سے کام لیتے ہیں- چپقلش ہو یا مفاہمت دونوں صورتوں میں عوام کا نقصان ہوتا ہے- دونوں پارٹیاں اپنے اپنے منشور پر عمل نہیں کر سکتیں حالانکہ عوام سے ووٹ اپنے منشور پر لیا ہوتا ہے- دونوں پارٹیاں اپنے اپنے اصول قربان کر دیتی ہیں اٹلی میں 1947ء سے آج تک 300 حکومتیں بدل چکی ہیں کسی کو اکثریت حاصل نہیں ہوئی - ہمارے ملک میں آزادی کے بعد اب تک زیادہ تر فوجی حکومت رہی ہے اور جمہوریت کم رہی ہے حکومت بننے کے بعد حکومت کو ناکام کرنے کے لئے تحریک عدم اعتماد کافی ہے- ہارس ٹریڈنگ اور وفاداریاں بدلنا روز مرہ کا معمول ہے یہی وجہ ہے کہ حکومتیں جلد بدل جاتی ہیں-

(۹) عوام کی حاکمیت :

عوام خوش ہیں کہ ان کی حاکمیت ہے حالانکہ عوام کی شرکت صرف ایک تصور ہے- عملاً خواص کی حکومت ہوتی ہے حالانکہ عوام کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ حکومت کیا کر رہی ہے- عوام کو اس لئے اس نظام میں دلچسپی نہیں ہوتی- پاکستان میں تو جمہوریت بالکل فراڈ ہے امریکہ جیسے باشعور اور تعلیم یافتہ ملک میں لوگوں کی دلچسپی کا تناسب ملاحظہ فرمائیں- صدارتی انتخاب میں 72% ووٹ پڑے- 32% کسی بھی اجتماعی تنظیم سے وابستہ لوگ کسی اجتماعی کام سے وابستہ افراد 30% انتخابات میں کونیئنگ کرنے والے 26% کسی معاشرتی مسئلہ کے لئے سرکاری ادارہ سے رجوع کرنے والے 20%

کسی سیاسی جلسہ میں 3 سال کے دوران کم از کم ایک مرتبہ شرکت کرنے والے 19% کسی انتخاب میں پیسہ خرچ کرنے والے 13% کسی سیاسی جماعت سے وابستہ افراد 8% یہ اس معاشرہ کی بات ہے جہاں کے عوام 100% تعلیم یافتہ ہیں- اندازہ لگائیں کہ لوگ جمہوریت میں کتنی دلچسپی لیتے ہیں- عوام کی رغبت دیکھیں اور عوامی حکومت کا دعوی - تقریباً ہر ملک کے عوام کی اکثریت اس نظام سے بیزار ہیں- لیکن پھر بھی عوام کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ جناب آپ کی حکومت ہے-

(۱۰) جمہوریت میں اکثر برسر اقتدار لوگ سردار، امیر کبیر، جاگیردار اور صنعت کار ہوتے ہیں یہ سب حضرات اپنی اپنی تجوریاں بھرتے ہیں عوامی حکومت کی آڑ میں لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کرتے ہیں- غریب آدمی الیکشن میں حصہ نہیں لے سکتا- اگر کوئی غریب لیڈر بن کر ابھرے تو اس کو جان سے مار ڈالتے ہیں- نظریاتی ووٹ ختم ہو کر رہ گئے ہیں کبھی رقم دے کر یا کبھی لالچ دیکر ووٹ حاصل کرتے ہیں- اکثر عوام امیدوار کو ووٹ، رشتہ داری، برادری، خاندانی یا علاقی تعلق کی وجہ سے دیتے ہیں اگر کوئی نظریاتی ووٹ دینا چاہے تو سب کے خلاف ہو جاتے ہیں پھر مسلسل بائیکاٹ اور دشمنیاں چلتی رہتی ہیں کبھی قتل وقتال تک نوبت پہنچ جاتی ہے- اسی بناء پر نیک لوگوں کے مقابلہ میں برے لوگ منتخب ہو جاتے ہیں- نفس اور شیطان دولت اور لالچ کے پجاری زیادہ ہیں اس لئے بڑے لوگوں کو زیادہ ووٹ ملیں گے- اگر ایک طرف شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرح دس اولیاء اللہ ہوں اور دوسری طرف گیارہ فاسق ہوں تو گیارہ فاسق جیت جائیں گے اور دس ولی اللہ ہار جائیں گے-

جائز اور ناجائز ہار اور جیت کا معیار اکثریت ہے اکثریت کو جہاں بھی معیار بنایا جائے تو باطل کو زیادہ ووٹ ملیں گے اس لئے کہ حق پرست کم ہیں اور باطل پرست زیادہ- ہر عہدہ پر کسی کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی ہوتی ہے جو عہدہ پر تقرر کے لئے تعلیم اور کیریکٹر کا لحاظ رکھتی ہے تمام نوکریاں اور ملازمتیں دلوانے میں عوام کا بالکل دخل نہیں تو حکومت ایک ایسا ادارہ ہے کہ جس افراد کے انتخاب کے لئے عوام کالانعام کی کمیٹی منظوری دے گی- اگر کسی کو نوکری دینے میں عوام پر اعتماد نہیں کیا جاتا تو حکومت جیسے اہم ادارہ بنانے میں کیوں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے- یہی وجہ ہے کہ منتخب افراد بیوروکریٹس کے اشاروں پر ناچتے رہتے ہیں- پبلک سروس کمیشن کے ممبران کسی بھی عہدہ کے امیدوار

Scanned with CamScanner

سے ہر لحاظ سے بہتر ہوتے ہیں تاکہ صحیح امیدوار کا انتخاب کر سکیں لیکن حکومتی ادارہ میں کسی کو منتخب کرنے کے لئے کمیشن کے افراد عوام کالانعام ہیں-

(۸) کثرت رائے :

کثرت رائے معیار حق نہیں کبھی حق ایک فرد کے ساتھ ہوتا ہے کبھی جمہور کے ساتھ-

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوك عن سبیل الله -اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کر دیں گے- مولانا اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں- آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرت رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے- صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے کس کی رائے ہے کیا ان عوام کالانعام کی اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا- ساری قوم ایک طرف- اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف آخر کیوں انہوں نے توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا اس لئے کہ وہ قوم بہت جاہل تھی ان کی رائے جاہلانہ تھی- ایک اور ارشاد فرمایا- مولانا محمد حسین آلہ آبادی نے سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں- کیونکہ قانون فطرت ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بے وقوف زیادہ تو اس قاعدہ کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بے وقوفی کا فیصلہ ہوگا- ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا- غزوہ احد میں ان پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے اختلاف ہوا بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہو گئی ہے اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں حضورؐ نے جس غرض کے لئے ہم کو یہاں متعین کیا تھا- وہ غرض حاصل ہو چکی اس لئے حکم قرار بھی ختم ہو گیا اب یہاں سے ہٹنے میں حضورؐ کے مقصود کی مخالفت نہ ہو گی اور ہم نے اب تک جنگ میں حصہ نہیں لیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہئے- ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں ہم کو مال غنیمت جمع کر لینا چاہئے- بعض نے اس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضورؐ نے صاف فرما دیا تھا کہ بدون میری اجازت کے یہاں سے نہ ہٹنا- اس لئے ہم کو بدون اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا

چاہئے مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے- یہ ان سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی اور ایک افسر رہ گئے اس واقعہ میں کثرت رائے غلطی پر تھی اور قلت رائے صواب پر تھی جو لوگ کثرت رائے کو علامت حق سمجھتے ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں- (حکیم الامت کے سیاسی افکار ص۲۰) کثرت رائے کی تردید کیلئے چند آیات ملاحظہ فرمائیں-

(۱) قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون -

تو کہہ کوئی برابر ہوتے ہیں- سمجھ والے اور بے سمجھ (الزمر)

(۲) افمن کان مؤمناً کمن کان فاسقاً لا یستؤن

بھلا ایک جو ہے ایمان پر برابر ہے اس کے جو نافرمان ہے نہیں برابر ہوتے (السجدۃ)

(۳) یدفع الله الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت

اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں کے اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا-

جمہوریت ، مشاورت اور
دفاعی قوت تینوں اسلامی خلافت
کے ستون ہیں
(اسلامی سکالر)

Scanned with CamScanner

اوقات خلوت میں ادب کے تقاضے

سوال- حیاء اور شرم فطری چیز ہے لیکن پھر بھی بسا اوقات مسائل کی حد تک پوچھنا ضروری ہوتا ہے۔ میاں و بیوی کے باہمی تعلقات کا دائرہ تو یقیناً ان دونوں تک محدود ہے لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ چھوٹے بچوں سے کس وقت پردہ میں رہنا ضروری ہے بسا اوقات والدین چھوٹے بچوں کے سامنے کچھ ایسی حرکات کا ارتکاب کرتے ہیں جن سے بچوں کی زندگی پر اچھے اثرات مرتب نہیں ہوتے ایک مسلمان معاشرہ میں رہتے ہوئے کیا ذمہ داریاں بنتی ہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق

اولاد کی اخلاقی تربیت والدین کی ذمہ داری ہے ہر اس اقدام اور حرکت سے اجتناب ضروری ہے جس سے بچوں کی زندگی پر مستقبل میں برے اثرات مرتب ہوتے ہوں اولاد چونکہ والدین کے ساتھ ایک کمرے میں اٹھتے بیٹھتے ہیں اس لئے اولاد کی نافہمی کے مراحل میں والدین پر کوئی خاص بوجھ نہیں پڑتا لیکن اولاد کی سن تمیز تک پہنچنے کے موقعہ پر والدین کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ بچوں کے سامنے کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے بے حیائی کو فروغ ملے بلکہ ایسے موقعہ پر بچوں کو اس کی تعلیم دینا ضروری ہے کہ وہ اوقات مخصوصہ میں والدین کی خلوت گاہ میں بلا اجازت داخل نہ ہوں۔ والدین کی ادنی بے احتیاطی سے اگر ایک غلطی سرزد ہو جائے تو اولاد کی زندگی پر اس کے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں اگر ماں بے پردگی میں رہے تو بچی سے پردہ کی رعایت کی توقع رکھنا بے سود ہے اور

اگر والد جھوٹ بولے، نماز نہ پڑھے یا گھریلو زندگی میں دینی اقدار کا تقدس پامال کرے تو اولاد سے بہتری کی توقع رکھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے- والدین کی زندگی اولاد کے لئے بہترین نمونہ ہوتی ہے- بچپن کی زندگی میں جو اثرات پڑ جائیں وہ انمٹ ہوتے ہیں- اور دیر پا ثابت ہوتے ہیں عموماً اولاد ہی والدین کی نجی زندگی کا عکس اور ترجمان رہتی ہیں- علامہ کاسانی فرماتے ہیں-

واما الصبیان فان کان الصغیر من لا یمیز بین العورۃ و غیرھا فیدخل فی الاوقات کلھا وان کان من اھل التمیز بان قرب من البلوغ یمنعہ الاب من الدخول فی الاوقات الثلاثہ تادیبا و تعلیماً لامور الدین کالا مر باالصلوۃ اذا بلغ سبعا وضربہ علیھا اذا بلغ عشرا والتفریق بھم فی المضاجع –

بدائع الصنائع (ج۵/۱۲۵)

ترجمہ- چھوٹے بچے اگر سن تمیز کو نہ پہنچے ہوں تو وہ والدین کے کمرے میں ہر وقت جا سکتے ہیں لیکن تمیز کرنے والے بچے کو باپ اوقات مخصوصہ میں بلا اجازت دخل ہونے سے باز رکھنے کی تعلیم دے گا جیسا کہ سات سال کی عمر میں نماز کا کہنا اور دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھنے پر تادیب کے طور پر مارنا اور سونے کے بستر ے میں الگ رکھنے کی تعلیم ضروری ہے-

راہ عام میں دیوار گرنے پر نقصان کا ازالہ

سوال- ایک شخص کی دیوار میں دراڑی پڑی ہیں راستہ پر گزرنے والوں کو خطرہ ہے شاید دیوار گر کر نقصان کا ذریعہ ثابت نہ ہو لیکن مالک مکان دیوار بنانے کے لئے تیار نہیں ایسی صورت میں کونسا لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے جس سے لوگ ایسے نقصان سے بچ سکیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق

راہ عام پر گذرنے کا حق معاشرہ کے ہر فرد کو حاصل ہے اس لئے راہ عام پر ایسے تصرفات

سے اجتناب کیا جائے گا جس سے گزرنے والوں کو تکلیف ہو بلکہ فقہی تصریحات کی روشنی میں ہر اس اقدام کا کوئی اعتبار نہیں جس سے گزرنے والوں کا حق متاثر ہو اس لئے مالک مکان کی جس دیوار میں دراڑیں پڑ جائیں اور گرنے کا خطرہ ہو تو اس کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کا بندوبست کرے اور اگر اس کو یاددہانی کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی کا سہارا لیکر اس کی ذمہ داری کا احساس دلائیں اس کے باوجود بھی وہ غفلت کا مظاہرہ کر کے کوئی قدم نہ اٹھائے تو پھر دیوار گرنے پر جو نقصان ہوگا اس کا مالک مکان ذمہ دار رہے گا۔ امام محمد رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

واذا تقدم الی رجل فی حائط له مائل فان شهد علیه رجل وامراتان فهو ضامن و شهادة النساء فی هذا مع الرجال جائزة

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط (ج۴/۲/۵۷)

ترجمہ۔ اگر ایک شخص کی ٹیڑھی دیوار پر ایک مرد دو عورتیں گواہی دیں تو اس کے گرنے سے نقصان کا ذمہ دار مالک رہے گا جبکہ ان معاملات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی جائز ہے۔

نابالغ کی خرید وفروخت

سوال۔ بسا اوقات دکان میں نابالغ بچے بیٹھے رہتے ہیں یا بازاروں میں چیزیں اٹھا کر گھومتے پھرتے ہیں یہ بچے خرید وفروخت سے تعلق کی بنا پر بہت ہوشیار ہوتے ہیں لیکن شرعی نقطہ نظر سے کیا ان نابالغ بچوں سے خرید وفروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق

جب یہ بچے خرید وفروخت کے معاملات جانتے ہوں اور سرپرستوں نے دکان میں بیٹھا کر کاروبار کرنے کی اجازت دی ہو تو پھر ان سے خرید وفروخت کے معاملہ میں کوئی حرج نہیں کیونکہ والد یا سرپرست جب بچے کے کئے ہوئے معاملہ کی اجازت دیدے تو معاملہ درست متصور ہوگا دکان پر

بٹھانے کا موقعہ دینا درحقیقت بچے کو کاروبار کی اجازت دینے کے مترادف ہے تاہم اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچے کی کم عمری سے فائدہ اٹھا کر دھوکہ دینے سے باز رہے۔ گاہک کی ذمہ داری ہے جب کبھی ایسی صورت سامنے آئے کہ اس میں بچے کے تاوان کا احتمال ہو تو اس کی نشاندہی گاہک اپنا اخلاقی اور مذہبی فریضہ سمجھے۔ ہدایہ میں ہے۔

ومن باع من هولآء شیاء وهو یعقل البیع ویقصده فالولی بالخیار ان شاء اجازه اذا کان فیه مصلحة وان شاء فسخه۔

ترجمہ۔ اگر انہوں نے (نابالغ غلام اور مجنون) کوئی چیز فروخت کی درانحالیکہ فروخت کرتے والا بیع کی حقیقت سے آگاہ ہو اور اس کا قصد ہو تو سرپرست کو اختیار ہے معاملہ کی اجازت دیدے جب اس میں فائدہ ہو اور یا فسخ کرے۔

بلی کے نقصان کی ذمہ داری مالک پر نہیں

سوال۔ ایک شخص نے گھر میں بلی پال رکھی ہے یہ بلی دوسرے گھر میں جا کر مرغی کے بچوں (چوزوں) کو کھانے لگی رفتہ رفتہ دس بارہ بچوں سے گذر گئی اتنے نقصان ہونے پر کیا بلی کا مالک ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟

بینوا توجروا

الجواب وباللہ التوفیق

بلی چونکہ آنے جانے میں آزاد رہتی ہے نہ اس کو باندھنے کا کوئی نظام ہے اور نہ کسی دوسرے طریقہ سے اس کو ادب سکھایا جا سکتا ہے اس لئے بلی کے کردار سے مالک بے خبر رہتا ہے پھر بھی شریعت کی روشنی میں بلی گھر میں رکھنا جائز ہے لیکن اس کے ہوتے ہوئے شریعت نے مالک پر اس سلسلہ میں کوئی ایسی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے جس کے بارے میں اس سے باز پرس ہو اس لئے بلی نے کہیں ایسا نقصان کیا کہ کسی کی مرغی کے بچے کھائے تو مالک سے اس کا ضمان طلب نہیں کیا جا سکتا تاہم

Scanned with CamScanner

جہاں کہیں بلی ایسی شرارت پر اتر آئے تو اسے مارنا جائز ہے اس لئے مرغی کے مالک نے اگر بلی کو مار دیا تو اس سے بھی باز پرس نہیں ہوگی۔

فتاوی قاضیخان میں ہے

وکذا اذا اکلت ھرۃ رجل دجاجۃ غیرہ لا یضمن صاحب الھرۃ (ج ٤ / ٦٨٧)

ترجمہ۔ایسا ہی اگر کسی شخص کی بلی نے کسی دوسرے آدمی کی مرغی کھائی تو بلی کا مالک ذمہ دار نہیں ہوگا۔

خوشخبری

تمام احباب حلقہ علم وقارئین العصر کو اطلاع دی جاتی ہے کہ ادارہ انشاء اللہ عنقریب نفاذ شریعت نمبر کے نام سے اسلامی سفارشات کا خصوصی ایڈیشن شائع کرنے والا ہے۔جو کہ ناظرین کیلئے انتہائی مفید اور سودمند ثابت ہوگا۔شائقین حضرات خریدنے کیلئے ادارہ سے رابطہ کریں۔

ادارہ العصر

اسلامی قیادت کے اوصاف اور ذمہ داریاں

مضمون نگار

محمد عباس درجہ سادسہ

سردار دو عالم سید کونین مرجع امم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا رہبر ہے۔وہی سب سے بڑا معلم اور وہی سب سے زیادہ دانا و بینا ہے۔وہی سب سے بڑا خیر خواہ و ہمدرد وہی ذات اقدس ہمارا انتخاب ہے اور ان ہی کی زندگی ہمارے لئے معیار، کیونکہ وہی مکمل ہے اور مکمل شخص کی زندگی مکمل ہوا کرتی ہے۔سیاسی ماحول کی ہر ایک فضا میں حیات نبویہ اور سیرت طاہرہ کی روشنی ہر رہرو کے راستے کی تاریکیوں کو اجالے سے بدل سکتی ہے۔

کوئی قائد محکوم ہے، لاچار و بے بس ہے، تنہا ہے، کفار کے نرغے میں جکڑا ہوا ہے تو اسی ہستی نقید المثال کی مکی زندگی آئیڈیل بنا کر دشوار گزار گھاٹی قطع کر سکتا ہے۔جس کو اللہ تعالی کی طرف سے امر ہے۔﴿کفار کی تکالیف کے بدلے میں بہترین معافی سے کام لیجئے۔ان کی بے ادبیوں سے صرف نظر کیجئے۔ان سے بہترین طریقے سے مجادلہ کیجئے اور موعظہ حسنہ سے ان کو دین کی دعوت دیجئے﴾۔

اگر قائد جمعیت رکھتا ہے مگر نا کافی ہے نہ محصولات کی آمدنی ہے نہ کوئی قابل اعتماد سامان، تو اس نفس پاک کی مدنی زندگی سے سبق حاصل کرے جو بدر سے پہلی تھی جس میں ایک طرف لومڑی چال چلنے والے یہودیوں سے دوسری جانب بنی حمزہ وغیرہ کے بت پرستوں سے معاہدہ فرمایا اور دشمن کی طاقت کو اس کی شامی تجارت بند کر کے کمزور کر دیا۔

اگر کسی قائد کی جمعیت قوت مدافعت بھی پا چکی ہے تو بدر کے بعد والی حیات طیبہ سے روشنی حاصل کرے۔

اگر اس کی جمعیت جو ہر اقدام سے بھی بہرہ ور ہے تو فتح مکہ اور اسکی بعد والی زندگی کسوٹی بنا کر قیادت کو چار چاند لگائے پھر دیکھے سرخ روئی کس طرح مقدر بنتی ہے اور کامیابی کیسی قدم چومتی

Scanned with CamScanner

ہے۔

اے کہ بر تخت قیادت زازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ان سطور میں عام مسلمانوں اور اسلامی سیاست کے ہر متلاشی کے لئے ذیل کی مختصر تسوید کے اندر آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان کے ارشادات وفرمودات اور خلفائے راشدین مہدیین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل کی روشنی میں اسلامی قیادت کے اوصاف اور اس کی ذمہ داریاں درج کئے جاتے ہیں۔ لیکن پیش نظر رہے کہ یہ اوصاف ﴿اسلام﴾ کے ماوراء ہیں کیونکہ اسلام ایک ایسا عنصر ہے جس کے بغیر اسلامی قیادت کا تصور ہی محال ہے۔ گویا کہ ﴿اسلامی قیادت﴾ کی عبارت ہی سے اسلام کا شرط ہونا از خود منتزع ہے۔ بقیہ اوصاف قدرے بسط سے بیان کئے جاتے ہیں تا کہ ﴿اسلامی قیادت﴾ کی خمیر کا خوب اندازہ ہو سکے۔

اسلامی قیادت کے اوصاف

(۱) اسلام کے بعد کسی اسلامی قیات کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز حریت ہے لیکن یاد رہے کہ جسمانی حریت کے ساتھ ساتھ بلکہ جسمانی حریت سے کہیں بڑھ کر اہمیت ذہنی حریت کی ہے یہی وجہ ہے کہ بہت سارے جسمانی احرار اپنے ملک وملت کا سودا کرتے نظر آتے ہیں۔ اگر انہی لوگوں کو ذہنی آزادی حاصل ہوتی تو وہ یوں ملت فروش سوداگر نہ ہوتے۔

نیز حریت کا یہ بھی معنی ہے کہ اقلیتی اقوام اسلامی حکومت میں اپنے عقیدے کے مطابق اپنے اعمال کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ محسوس نہ کریں اور مشہور عرب مصنف ظافر القاسمیؒ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں ﴿فان الاسلام قد نص علی الحریة الفردیة وحریة المعتقد والحریة الدینیة﴾۔ یہی رائے علامہ ابن کثیرؒ کی بھی ہے چنانچہ وہ لااکراہ فی الدین کے تحت فرماتے ہیں۔ ﴿ای لا تکرھوا احداً علی الدخول فی دین الاسلام فالنفی بمعنی النھی﴾ (۳) اور قرآنی آیات اس کے حامی ہیں ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے ﴿فان

ایک مقام پر فرمان الٰہی ہے۔ ﴿اعرضوا انما ارسلنك علیهم حفیظاً ان علیك الا البلاغ﴾ ایک اور جگہ ارشاد ہے ﴿لست علیهم بمصیطر﴾ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿افانت تکرهوا الناس حتی یکونوا مؤمنین﴾ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿ما علی الرسول الا البلاغ﴾

ان تمام احکام سے (جو علی وجه التمثیل لا علی سبیل الحصر بیان کئے گئے) معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کو چاہئے کہ وہ اقلیتی برادریوں کو (جب تک ان کا کوئی عمل اسلام کے لئے نظریا مسلمہ اسلامی اصولوں سے متصادم نہ ہو) آزادی دے یہی طرز عمل حکومت کو استحکام بخشنے والے عناصر میں سے ایک عنصر ہے۔

(۲) اوصاف قیادت میں سے دوسری چیز جسے شرط بھی کہا جا سکتا ہے یہ ہے کہ قائد مرد ہو، کیونکہ اسلامی تعلیمات کے رو سے عورتیں دین اور عقل کے اعتبار سے ناقص ہیں۔

قرآن حکیم نے سربراہی مرد کا خاصہ قرار دیکر فرمایا ﴿الرجال قوامون علی النساء﴾ الایۃ اور حدیث شریف میں ہے ﴿لن یفلح قوم ولوا علیهم امراة﴾ ایک اور حدیث کا مفہوم ہے ﴿جب قائدین برے ہوں اور زمام کار عورتوں کے ہاتھوں میں ہو تو زندگی سے موت بہتر ہے﴾ الغرض قرآن وحدیث کے منشاء کے مطابق عورت حکمرانی کی صلاحیت نہیں رکھتی مرد ہی قائد ہوگا۔

(۳) بالغ ہونا بھی قیادت کے لئے ایک ضروری امر ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قیادت میں امور داخلی وخارجی کا نبھانا ہوتا ہے جو متانت، سنجیدگی، تجربہ اور عمر رسیدگی کا متقاضی ہے تا کہ ان فرائض کو علی وجہ البصیرۃ نبھایا جا سکے جبکہ بچہ ان اوصاف سے عاری ہوتا ہے۔ اور ضمناً یہ بات بھی سامنے آ گئی کہ قائد عاقل ہوگا ورنہ قوم کو ہلاکت کے گڑھ میں دھکیل دے گا۔ بقول شاعر

اذا کان الغراب دلیل قوم
سیهدیهم سبیل الهالکین

ان ہی اسرار کو مدنظر رکھتے ہوئے قرون ماضی میں وزراء کی عقل کا سخت سے سخت امتحان لیا جاتا تھا جو بھی معیار پر پورا نہیں اتر رہا ہوتا اس کو عمل رانی کا قابل نہیں سمجھا جاتا۔ شیخ سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں۔

جز بخرد مفرما عمل　　　گرچہ عمل کار خردمند نیست

(گلستان)

اور ایک انگریز دانشور جان بیلن ماضے کی اسلامی بادشاہی کے نظام کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں ﴿اسلام میں حکمرانی کے لئے دیگر اوصاف کے ساتھ ساتھ عقلمند سے عقلمند شخص کا انتخاب کرنا اسلام کی ایک بے بدل خوبی ہے﴾

(۴) قائد کے لئے دیکھنے، سننے اور بولنے کی صلاحیت کا ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ ان امور کے بغیر قیادت کے بارگران کا متحمل ہونا ممکن نہیں۔

(۵) ضروری ہے کہ قائد سلیم الاعضاء ہو کیونکہ بصورت دیگر وہ تمام رعایا کے لئے ذلت کا باعث ہوگا۔ نیز لنگڑے لولے لوگ قیادت کی دوڑ دھوپ بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

(۶) قائد اسلامی طریق سیاست سے باخبر ہوگا یا ان ارکان شوری کے مشورے کا پابند ہوگا جو دیانتدار ہیں اور اسلامی سیاست سے واقف ہیں شاعر مشرق نے زبردست نگارش فرمائی ہے۔

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو　　　جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

(۷) قیادت کا کسی شجاع، نڈر، دلیر اور بے باک شخص کے ہاتھ میں ہونا بھی کلیدی امر ہے تاکہ تنفیذ احکام میں جھجک محسوس نہ کرے اور ظالم اور مظلوم کے مابین انصاف کر سکے۔ کسی شاعر کا قول ہے

ایاك یا فضیل و القیادة　　　فانها لمن له الشجاعة

(۸) قائد متبع سنت ہوگا اگر وہ متبع سنت نہیں بلک سنت سے دشمنی رکھتا ہے تو اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ اس کو معزول کرنا ضروری ہے اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے۔ ﴿الائمۃ من القریش صفحہ ۳۴﴾

(۹) قائد علم کے اعتبار سے مضبوط ہوگا (قیادت کی ذمہ داریوں کے بیان میں ضمناً علم کی ضرورت کی تفصیلی بحث آرہی ہے وہاں ملاحظہ کیا جائے)

(۱۰) امام اور قائد قوی الجثہ یعنی جسم کے اعتبار سے قوی اور مضبوط ہونا چاہئے اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے قلوب میں اس کی عظمت ہو۔ علامہ محمد علی الصابونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

﴿والامر الثانی قوة البدن لیعظم خطره فی قلوب المؤمنین ویقدر علی مقاومة الاعداء ومکابدة الشدائد﴾

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ﴿ههنا ینبغی ان یکون الملك ذا علم و شکل حسن و قوة شدیدة فی بدنه و نفسه﴾ بدنہ اور نفسہ کا مطلب یہ ہے کہ ظاہری وجاہت سے بھی بہرہ ور ہو اور اس کا دل بھی قوی ہو۔

(۱۱) حاکم کی طبیعت میں استقامت ہوگی تاکہ اپنی مسلسل جدوجہد سے اپنی مراد تک پہنچ سکے۔ کیونکہ تاریخ انسانی کا رخ بدلنے والے کارنامے ان لوگوں نے انجام دئے جو ثابت قدمی اور استقامت کے غیر متزلزل چٹانیں بن گئے تھے۔ اور اسی پر نبی کریم ﷺ کو امر تھا۔ ارشاد ہوا۔ ﴿فلذالك فادفع واستقم کما امرت الخ الایة﴾ نیز قیادت والی زندگی میں فتح و کامیابی کی کنجی مشکلات کے پہاڑوں کو مسخر کرنے اور آزمائش کے طوفانوں کا رخ پھیرنے کا حقیقی وسیلہ صبر و ہمت اور عزم و ارادے کی دولت ہے۔ قائد کا صبر و ہمت، عزم و ارادہ اس کے پیروکاروں کے لئے روشنی کا بلند مینار ہوتا ہے اللہ تعالی اپنے محبوب سے ارشاد فرماتے ہیں ﴿فاصبر کما صبر اولوالعزم من الرسل﴾ ایک جگہ ارشاد ہے ﴿ولمن صبر و غفر ان ذالك لمن عزم الامور﴾ ان آیات بینات اور اس قسم کے دیگر ارشادات باری عز اسمہ، وفرموادات خاتم النبیین ﷺ سے بانگ دہل واضح ہوتا ہے۔ کہ صبر قوت ارادی کے وجود کی ایک روشن دلیل ہے جو کسی قائد کے اوصاف حمیدہ میں سے ایک زبردست وصف ہے اور جس کے نتیجے میں استقامت جیسی عظیم نعمت من جانب اللہ ودیعت ہوتی ہے۔

(۱۲) قائدانہ اوصاف میں صدق و امانت کو بھی اولیت حاصل ہے انسان کی بڑی کمزوری خودغرضی اور بڑا عیب کذب وخیانت ہے یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کی شخصیت کو مجروح اور مسخ کر دیتی ہے صدق و امانت انہی چیزوں کے اضداد ہیں۔ رحمۃ اللعالمین ؐ بھی صادق و امین ہونے کے باعث عرب کے معاشرے میں اقتدار کے قابل اعتماد قائد کی حیثیت سے اس قدر مقبول ہوئے کہ قبل از نبوت کسی قائد نہ ہوتے ہوئے بھی کسی کو ان کی بات سے انکار کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ اور کعبہ کی دیوار

میں حجر اسود کے رکھنے کا قصہ مشہور ہے کہ کسی قبیلے کا یہ شرف حاصل کرنا دوسرے قبائل کے لئے ناقابل برداشت امر تھا۔ اور قریب تھا کہ سرزمین حرم آپس کی خونریزی سے گلرنگ ہو جاتی اس وقت بیدار قائد (میرے ماں باپ ان سے قربان ہوں) آگے بڑھے اور اس نہ بجھنے والی آگ کو بجھایا۔

(۱۳) کسی قائد کی ضروریات میں سے توکل اور خود اعتمادی بھی انتہائی اہم شے ہے جو ایمان باللہ کا ایک لازمی نتیجہ ہے۔ اور جس کا ظہور عزم مصمم کے بعد ہوتا ہے چنانچہ اللہ تعالی نے فرمایا ﴿فاذا عزمت فتوکل علی اللہ﴾ اس آیت کا منشا ضعف ارادی کی اصلاح ہے۔ بلا سوچے سمجھے کام کی طرف سبقت کرنا اور دلیل میں مذکورہ ایت کریمہ پیش کرنا ایک طرف اگر حماقت کی انتہا ہے دوسری طرف معنوی تحریف بھی ہے

(۱۴) قیادت اسلام کے سنہرے اوصاف میں سے موقع شناسی اور مردم شناسی بھی ایک زبردست وصف ہے۔ حسب موقع نرمی وسخت گیری قیادت کے انگھوٹے کا ایک چمکتا نگینہ ہے۔ قائد نہ اتنا نرم ہو کہ اس کے حکم کو ہوا کا جھونکا سمجھا جائے اور نہ اتنا سخت گیر ہو کہ دائرہ عدل سے بھی خارج ہو جائے اور یوں اپنی قیادت کا خود خاتمہ کرکے الباحث عن حتفہ بظلفہ کا مصداق بن جائے ایک عرب شاعر کا قول ہے

لا تکن سکراً فتاکلك الناس   ولا حنظلاً تذاق فترمی

یعنی نہ چینی کی طرح میٹھا ہو کہ لوگ کھا جائیں اور نہ حنظل کی طرح تلخ ہو کہ لوگ پھینک دیں۔ الغرض مبینہ نصی حدود کے سوا دیگر جرائم کے سلسلے میں سزا و جزا کا انتخاب جرم اور مجرم کو دیکھتے ہوئے کرنا چاہئے۔

اسلامی قیادت کی ذمہ داریاں

قیادت وسیادت کے الفاظ میں اگر ایک طرف گردن فرازی کی بو ہے تو دوسری طرف یہ الفاظ سن کر کسی بھی ذی شعور کو ثقل اور بوجھ کا احساس ہوتا ہے اور اس کی وجہ قیادت کی بے پناہ ذمہ داریاں ہیں۔

قائد اول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائدانہ زندگی سے قیادت اور اس کی ذمہ داریاں

معلوم کی جا سکتی ہیں جنہوں نے دن رات فرائض قیادت کی انجام دہی کے لئے برابر کر دئے تھے ان کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ امت کے لئے تعلیم ہے جسے دیکھ کر قلعہ محمدیت میں مقیم ہر قائد اور مقتدی اپنی ذمہ داریاں جان بھی سکتا ہے اور اس ذات اقدس کے بتائے ہوئے زرین اصولوں کے تحت اسے نبھا بھی سکتا ہے آئندہ سطور میں بالاختصار ان پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

(۱) فضائے عدل وانصاف قائم کرنا اسلامی قیادت کی ایک ایسی ذمہ داری ہے جس کے بارے میں اگر کہا جائے کہ اسلامی قیادت کا مقصد یہی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے عدل ان قرآنی احکام میں سے ہے جن کا تذکرہ اہمیت کے پیش نظر بیسیوں دفعہ ہو چکا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے ﴿ان اللہ یامر بالعدل والاحسان﴾ ایک جگہ ارشاد خداوندی ہے۔ ﴿وامرت لاعدل بینکم﴾ دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿یا یھا الذین آمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط﴾ یہ اور اس قسم کے تمام احکام خداوندی کا منشا قیام عدل ہے اور یہ تو مشاہدہ ہے کہ جب کوئی حاکم عدل کی کسوٹی قائم رکھتا ہے اس کی حکمرانی قائم رہتی ہے لیکن جب سے وہ ظلم اور تعدی کے بازار گرم کرنے لگتا ہے تو اسی وقت سے اقتدار کے بقیہ لمحات گننا شروع کر دیتا ہے۔ اور یوں وہ چند ایام میں وزیر اعظم سے اسیر اعظم بن جاتا ہے۔

(۲) دوسری ذمہ داری اسلامی قیادت کی یہ ہے کہ اسلام کی عالمگیریت اور خدا پرستی کے بمقتضا مساوات اسلام کا خصوصی پاس رکھا جائے۔ شکم پری اور اقربا پروری کا تصور تک دماغ کو نہ چھوئے۔ کیونکہ کسی قائد کی ذات اور نسب و دنیا و آخرت میں داغدار بنانے والی اولین چیز یہی ہے۔ رعایا کے ہر فرد کو اس کے حقوق دینا ایک طرف حکم خداوندی ہے تو دوسری طرف رعایا کی خوشحالی کا سامان ہے۔ قرآن حکیم قبائل میں تقسیم کے فلسفے کو واضح کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ﴿وجعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا﴾ نبی علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے ﴿کلکم لآدم و ادم من تراب﴾ ایک مقام پر فرماتے ہیں ﴿الناس سواسیة کاسنان المشط﴾ ایک جگہ ارشاد نبوی ہے ﴿لافضل لعربی علی العجمی الا بالتقوی﴾ (تفصیل کے لئے دیکھئے نظام الحکم لظافر القاسمی حسب حوالہ)

Scanned with CamScanner

چونکہ یہ امور علم طلب ہیں اس لئے علماء امت نے صحت قیادت کی شرائط میں ایک شرط یہ قرار دیا ہے کہ قائد عالم ہوگا حتی کہ بعض نے مجتہد ہونے کو بھی شرط قرار دیا ہے اور علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس کے لئے شرح السنہ میں پانچ شرائط بیان کئے ہیں (۱) کتاب اللہ کا جاننے والا ہو (۲) سنت نبوی کا عالم ہو (۳) سلف صالحین کے اقوال ان کے اجماع اور اختلاف سے باخبر ہو (۴) علم لغت پر اس کو عبور حاصل ہو (۵) علم قیاس کا ماہر ہو (دیکھئے سبل السلام ج ۴ ص ۱۱۷، ازالۃ الخفاج ۱ ص ۶، الملل والنحل ج ۱ ص ۲۰۱، مجموع الفتاوی ج ۲۲ ص ۹۲ وغیرہ) لیکن یاد رکھئے اگر قائد بذاتہ ان علوم کا حامل نہ ہو البتہ ارکان شوری میں اس قسم کے لوگ موجود ہوں اور قائد شوری کے فیصلے کے مطابق عمل کرنے کا پابند ہو تو اس صورت میں وہ خود ان علوم کا حامل شمار ہوگا۔

(۳) رفاہ عام کے لئے تگ ودو میں اپنی صلاحیتیں صرف کرنا

(۴) امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے شعبے کے قیام کو عمل میں لانا۔

(۵) قائد کو چاہئے کہ جس خطے یا طبقے کا وہ مقتدی ہے وہاں کوئی دوسرا قائد اس کا ہمسر نہ بننے دے جو امور نظم میں بیجا دست اندازی کرے تاکہ نظام حکمرانی درہم برہم نہ ہو۔ علماء نے اس کو بھی صحت قیادت کی شرائط میں شمار کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ **فاما نصب الامامین فی الارض فلا یجوز** یعنی ایک جگہ دو قائد جمع نہیں ہو سکتے۔

(۶) نظام مملکت کو قرانی اصولوں پر استوار کرنے کے لئے شوری کا قیام بھی ایک کلیدی ذمہ داری ہے کیونکہ قیام شوری ہی ایسا جوہر ہے جس کی بدولت صحیح رخ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ نبی کرم ﷺ کا ہر عمل اللہ کے منشاء کے مطابق ہوا کرتا تھا لیکن بایں ہمہ وہ اللہ کی طرف سے اس بات پر مامور تھے کہ وہ امور اخروی اور دنیوی میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ کر لیا کرے چنانچہ ارشاد ہوا **وشاورھم فی الامر** مفسرین عظام اس آیت کے تحت فرماتے ہیں ﴿**لم یکن (ھذا الامر) من قبیل حاجۃ الرسول الی المشورۃ وانما کان من قبیل تعلیم الناس وارشادھم الی امثل الطرق**﴾ عبارت کا مفہوم وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا- (۷) اسلامی قیادت علماء کی ایک جماعت تشکیل دے جو کابینہ کے ارکان کی نشست و برخاست پر عمیق نگاہ رکھے تاکہ چاہتے ہوئے بھی کوئی

کرپشن اور اس قسم کی دیگر قبائح میں ملوث نہ ہو پائے۔ (۸) قائد کو چاہئے کہ بشمول خود ارکان حکومت کو دیانتدار بنانے کے لئے ایک اصلاحی کمیٹی کا قیام عمل میں آئے (۹) تعلیمی نصاب اس طور پر بنائے کہ ترویج دین کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اسلامی حکومت کے آگے سر تسلیم خم کرنے پر ابھارے

(۱۰) ملکی وسائل میں ادنی بے احتیاطی عظیم جرم ہے اس لئے ملک کے وسائل سے حاصل شدہ ہر آنے کو بجا صرف کرنا ایک بڑی مسؤلیت ہے۔

(۱۱) قیادت کا معنی پیش روی ہے۔ جس کا مطلب عوام کی ترجمانی کرنا ہے تاکہ داخلی و خارجی مشکلات سے بطریق احسن نمٹا جائے اس لئے اسلامی کابینہ کا فرض ہے۔ کہ ناجائز مراعات اور انگریز کے وضع کردہ تن پرورانہ طرز حکومت سے کوسوں دور رہے۔ ہر ملکی کی آواز پر لبیک کہے۔ طبقۃ العوام اور حکومت کے ارکان کے مابین کسی قیمت پر خلیج نہ آنے دے تاکہ عام شہری بھی داد طلبی کر سکے۔

اگر ارباب حل وعقد اپنے لئے جائے نشست و برخاست اور عوام کے لئے مقام داد خواہی و درخواست مساجد بنائیں گے تو انشاء اللہ کوئی بھی شہری اپنے کو کمزور اور اپنے کسی مسئلے کو ناقابل حل نہیں سمجھے گا۔

(۱۲) اگر قیادت نومولود ہے تو زمام کشان حکومت عوام کو ساتھ ملا کر اس کے استحکام کی فکر کرے اور ہر اعتبار سے اسے ناقابل تسخیر بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے اور اس کو معاشی اعتبار سے خود کفیل بنانے کے لئے خارجی دنیا کے ساتھ تعلقات استوار رکھے اور ممکن حد تک اس میں انقطاع نہ آنے دے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ بات کھٹک رہی ہو کہ اسلامی قیادت کی ابتدائی ذمہ داریوں میں سے اولین ذمہ داری نفاذ اسلام ہے جبکہ اس کا تذکرہ ہی نہیں کیا گیا۔ لیکن عنوان پر نظر جمانے سے از خود اس شبہ کا ازالہ ہوتا ہے کیونکہ زیر بحث ﴿اسلامی قیادت﴾ کی ذمہ داریاں ہیں اور اسلامی قیادت تب اسلامی قیادت ہوگی جب اس نے پہلے سے اسلامی احکام کی اجراء کی ہوئی ہو۔ لہذا سمجھ لینا چاہئے کہ مندرجہ بالا مسودات اجراء احکام کے بعد سے متعلق ہیں۔

Scanned with CamScanner

اسلام میں عورت کے چہرے کا پردہ

عبدالمجیب سابق مشیر حکومت سعودی عرب

سولہ جنوری ۲۰۰۳ کے روزنامہ جنگ کراچی میں جناب ارشاد حقانی نے عنوان بالا کے تح
اپنے گزرے دو کالموں اٹھائیس اور انتیس نومبر ۲۰۰۲ء کے تسلسل میں تیسری مرتبہ بھی ایک ا
جناب طارق جان کی تحریر پیش کی ہے حیرت ہے کہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد
مذکورہ سینئر اسکالر نے اس تازہ اور آخری قسط کا اختتام ایک غلط بیانی پر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ آئمہ ار
امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ امام اور حنبل چہرے کے پردے کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اس جھوٹ کی تر
میں صرف اتنا بتانا ہی کافی ہوگا کہ سعودی عرب میں جہاں بیک وقت دو فقہ (مالکی اور حنبلی) رائج
وہاں عورت کے چہرے کا پردہ نافذ العمل ہے ویسے اسلام کے پانچ مستند مکاتب فکر ہیں یعنی ح
شافعی، مالکی، حنبلی اور اہل حدیث۔ جن میں سے صرف کچھ حنفی فقہاء چہرے کے پردے کو ضروری نہ
سمجھتے لہذا امر واقعہ یہ ہے کہ علماء و فقہا کی عظیم اکثریت حجاب و نقاب کو قرآن کا حکم تسلیم کرتی ہیں
اقلیتی علماء اس کو ضروری نہیں سمجھتے وہ پھر بھی یہ ضرور مانتے ہیں کہ عورت کا احرام حج و عمرہ اس کا کھلا چ
مقرر ہے اب اگر چہرہ معمولاً ہوتا تو خصوصی احرام بے معنی نہیں ہو جاتا؟ پھر خاتمہ احرام کی واحد نش
بھی یہی ہے کہ کھلا چہرہ پھر سے معمول کے مطابق با نقاب چہرہ ہو جائے مزید برآں یہ اقلیتی علماء ا
مشہور فرمان نبوی کو بھی مانتے ہیں کہ مرد مسلمان جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کو ایک مر
دیکھ لے ظاہر ہے کہ یہ ہدایت نبوی بھی اس لئے تو دی گئی ہے کہ مسلم خواتین معمولاً اور حکماً با نقاب ہو
ہی ان حقائق کے پیش نظر صحیح بات یہ ہے کہ قرآنی حکم حجاب پر بالفعل اتفاق کامل ہے لہذا اجماع امت
عورت کے چہرے کے پردے پر ہے نہ کہ اس بے پردگی پر کہ جس کا دعوی کیا گیا ہے خرد کا نام جنوں
رکھ دیا جنوں کا خرد۔

اس تازہ ترین مضمون نمبر تین میں دوسرا مغالطہ یہ ہے کہ ایک طرف وہ (قدامت پرست
چہرے کو چھپانے کا کہتے ہیں کیونکہ وہ دوسروں کے لئے باعث کشش ہے لیکن آنکھیں جو سب سے

زیادہ متاثر کرتی ہیں انہیں کھلا رکھنے کی اجازت دیتے ہیں مضمون نگار ذرا اتنا ہی بتا دیں کہ ایک چیچک زدہ شکل پر نرگسی آنکھیں ان کو کتنا متاثر کریں گی چہرے کا حسن تو مجموعہ ہوتا ہے رنگت عارض ناک ہونٹ جبین بھنویں اور آنکھوں کے امتزاج کا صرف آنکھوں سے وہ صنفی کشش پیدا نہیں ہو سکتی جو پورے چہرے سے ہوتی ہے اس لئے اسلام (قرآن) نے چہرے پر حفاظتی پہرا لگایا ہے نہ کہ آنکھوں پر اس تیسری قسط میں تیسرا مغالطہ دیا گیا ہے کہ قرآن کے کسی لفظ کے معنی کے تعین میں لغت کو اولیت حاصل ہے کہ اس کے بعد خود قرآن کا متن اور رسولؐ کے ارشادات مبارکہ ہیں جبکہ درست بات یہ ہے کہ اولیت لغت کے بجائے متن قرآن کو حاصل ہے۔ پھر متن کا سیاق و سباق جس کا ذکر ہی نہیں ہے اس کے بعد لغت اور ارشادات رسولؐ ہیں معنی کے تعین کے لئے ان چار عناصر کی بیان کردہ ترجیحی ترتیب میں الٹ پھیر وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں۔

جہاں تک اصل تحریر (پہلی دو اقساط) کا تعلق ہے تو وہ خلط مبحث کا شاہکار ہے کیونکہ اس میں قران کے احکام اور احکام حجاب و نقاب خلط ملط کر کے ایک کو دوسرے سے متصادم گردانا ہے۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ عورت کے لئے احکام ستر الگ ہیں، جو سورہ نور کی آیت اکتیس میں ہیں اور احکام حجاب و نقاب الگ ہیں جو سورہ احزاب کی آیات 59-53 میں ہیں۔ احکام ستر کا تعلق گھر کے اندر اپنے محرموں باپ بھائی بیٹا چچا ماموں خسر وغیرہ کے درمیان عام جسمانی پردے سے ہے جبکہ احکام حجاب گھر کے باہر نامحرموں سے ایک زائد اور اضافی چہرے کے پردے سے ہے ان حقائق کو نظر انداز کر کے جناب محقق نے یہ بے جا سوال اٹھایا ہے کہ کیا سورہ نور (آیت اکتیس) کا نزول اسلئے تھا کہ وہ سورہ احزاب (آیت ۵۹) سے متصادم ہو؟ اگر یہ بات نہیں تو کیا پھر یہ نسخ و منسوخ کا مسئلہ ہے اگر ایسا ہے تو بتایا جائے اگر نہیں سو پھر سوال یہ ہے کہ کیا قرآنی احکامات (نعوذ باللہ) ترتیب اور نظم سے محروم ہیں تعجب ہے کہ سائل لاعلم ہے کہ نظم و ترتیب قرآن کا ہی تو یہ اعجاز و کمال ہے کہ پورے قرآن کی ترتیب نزولی نہیں موضوعاتی ہے مثلاً نزولی اعتبار سے سورہ احزاب پہلے نازل ہوئی اور سورہ نور بعد میں مگر ترتیب قرآن میں سورہ نور سورہ احزاب کے بعد ہے۔ اس کی حکمت یہ ہے کہ پہلے گھر کے اندر محرموں سے عورت کا پردہ ﴿ستر﴾ معروف و مقرر کر دیا جائے جو ماسوائے تین چیزوں چہرہ کلائیوں

Scanned with CamScanner

تک ہاتھ اور ٹخنوں سے نیچے پیر کے، اس کا پورا جسم ہے پھر گھر سے باہر نامحرموں سے اس کے ستر پر اضافی پردہ چہرے کا بھی متعین کر دیا جائے حالانکہ حکم حجاب و نقاب سورہ احزاب کی دو الگ الگ آیات ۵۳۔۵۹ میں بیان ہوا ہے جناب اسکالر اس کو حکم عام نہیں مانتے بوجہ اس کے کہ آیت ۵۳ کا تعلق ازواج النبی سے ہے اور آیت ۵۹ کا تعلق خواتین کی وقتی پہچان ہے اگر احکام قرآن میں سے یوں مستثنیات نکالنی شروع کر دی جائیں تو پھر قابل اتباع احکام مشکل سے ہی کچھ بچ سکیں گے اس نکتے کی مزید وضاحت آگے آ رہی ہے۔

اصل مضمون زیر نظر میں صرف آخری بات کچھ درست کہی گئی ہے اور وہ یہ کہ چونکہ عقلیت پسندی اسلامی تہذیب کا اہم ترین حصہ ہے لہذا احکام دین کے بارے میں روش عقلیت پسندی کی ہونی چاہئے تاکہ جامد قدامت پرستی سے بچا جا سکے تاہم مکمل سچ یہ ہے کہ تعلق اور تفکر میں نہ قدامت پرستی ہو اور نہ ہی جدت پرستی صرف ہدایت پرستی ہونی چاہئے اس محکم اصول کے تحت ہی عورت کے پردے کا جائزہ لینا چاہئے عقل و فکر کا اولین تقاضا یہ ہے کہ عورت کی نازک نسوانیت کے پیش نظر اس کا جسمانی پردہ اپنوں سے کہیں زیادہ غیروں سے ہونا چاہئے سو حکم ستر (سورہ نور آیت اکتیس) کے مطابق اپنوں (محرموں) کے سامنے تین چیزیں (چہرہ، کلائیوں تک ہاتھ اور ٹخنوں کے نیچے پیر کھلے ہوں باقی پورا جسم مستور ہوگا مگر حکم حجاب سورہ احزاب آیات ۵۹۔۵۳ کے مطابق غیروں نامحرموں کے سامنے صرف اور صرف موخر الذکر دو چیزیں کھلی ہوں گی اور تیسری چیز چہرہ بھی بطور زائد پردہ کے مستور ہوگی بالفاظ دیگر ستر تو وہ اعضا ہیں جو شوہر کے سوا محرموں کے سامنے بھی کھلنا منع ہے اور حجاب چہرہ سے ستر سے زائد وہ ہے جو نامحرموں کے سامنے کھولنا ممنوع ہے اس طرح انسانی فطرت اور عقلیت کے عین مطابق قرآن نے گھر کے اندر جتنا پردے کا دائرہ رکھا ہے اس سے بڑا پردے کا دائرہ گھر سے باہر کے لئے رکھ دیا ہے اتنی سیدھی اور سادہ سی بات عقلیت کے داعی کے سمجھ میں نہیں آتی اور ان کے نزدیک مذکورہ دونوں آیات حجاب محض وقتی حکم قرار پاتی ہیں سورہ احزاب کی آیت ۵۳ میں ازواج النبیؐ کا نکاح بحیثیت امہات المومنین نبی کے بعد ممنوع کرتے ہوئے حکم یہ ہے کہ ان مقدس ترین ماؤں سے بھی جب کوئی چیز مانگو تو پردے کی اوٹ سے مانگو اس سے یہ نتیجہ کہاں نکلتا ہے کہ یہ حکم صرف امہات

المومنین تک محدود ہے کیا یہ عقل کی بات ہے کہ محترم ماؤں پر تو حجاب کی پابندی ہو لیکن عام مسلم خواتین اس سے آزاد ہوں اسی سورہ احزاب کی پہلی آیت میں اللہ نے فرمایا ہے کہ اے نبی اللہ کا تقوی اختیار کرو اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانو کیا یہ حکم الہی صرف نبی کریم محمدؐ تک محدود ہے؟ ایسی ہی بے شمار آیات قرآن میں جن کا حکم وقتی نہیں ہمہ وقتی ہے اور قیامت تک رہے گا حد تو یہ ہے کہ داعی عقل و فکر حکم حجاب کی دوسری آیت ۵۹ کو بھی محدود وقتی سمجھتے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ اے نبی کہہ دو اپنی ازواج اپنی بیٹیوں اور تمام مومن عورتوں سے کہ وہ اپنے اوپر چادر کے گھونگھٹ ڈال لیا کریں یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں پس ستائی نہ جائیں۔ کیا اس حکم حجاب و نقاب کی یہ تاویل عقلاً درست ہو سکتی ہے کہ اس سے محض مومن عورتوں اور باندیوں میں تمیز مطلوب ہے تاکہ اوباش لوگ انہیں ستا نہ سکیں اور یہ کہ کوئی حکم شرعی بلکہ ایک معاشرتی مسئلہ کا وقتی حل تھا جس کی وجہ سے اوباش لوگ باحجاب خواتین سے احتراز کرنے لگے تھے اس لحاظ سے تو آج کے عقلاء و فضلاء کو کہنا چاہئے کہ موجودہ معاشرے میں اوباشوں سے بچنے کے لئے حجاب و نقاب کی پہلے سے بھی زیادہ ضرورت ہے اور چونکہ رہتی دنیا تک شیطان رہے گا یہ ضرورت حجاب و نقاب ہمیشہ رہے گی یوں جناب اسکالر کی دلیل ان پر الٹی ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے قرآن میں عورت کے چہرے کا پردہ ثابت ہو جاتا ہے اور اس کی حکمت و ضرورت بھی واضح ہو جاتی ہے لہذا اہل علم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآنی حکم حجاب و نقاب کی نفی کے لئے وقتاً فوقتاً چنیں و چناں اور مان مانی تاویلات کرتے رہیں بطور حرف آخر علوم قدیمہ و علوم جدیدہ کے عالم باعمل اکبر الہ آبادی کا سبق آموز اور عبرت انگیز قطعہ یہاں پیش خدمت ہے تاکہ اب بھی اصلاح احوال کیا جا سکے۔

بے پردہ نظر آئیں و کل چند بی بیاں
اکبر زمیں میں غیرت ملی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں وہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

Scanned with CamScanner

یادِ حیات

مولانا محسن ... صاحب (...)

الشیخ محمد ناصر الدین الالبانیؒ

ہم نے حدیث شریف کی کتاب «سبل السلام شرح بلوغ المرام» کی جلد اول اور دوم اور مسلم شریف کا کچھ حصہ شیخ ناصر الدین البانی سے پڑھا ہے۔ جو اصل میں البانیہ کے رہنے والے تھے۔ اپنے والدین کے ساتھ البانیہ سے ہجرت کر کے شام (دمشق) میں رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ غالباً شیخ ... مرحوم اہل حدیث ... کی صحبت کی بناء پر غیر مقلد ہو گئے تھے۔ جبکہ ان کے والد صاحب پکے حنفی تھے۔ اور البانیہ میں سب احناف ہیں۔ حضرت شیخ واقعی غیر مقلد تھے۔ وہ کسی مسئلے میں بھی کسی کی تقلید نہیں کرتے تھے۔ اپنی تحقیق کی روشنی میں بہت سے مسائل میں شاذ و منفرد ہے۔ حیض کے خون کے علاوہ ان کے نزدیک باقی خون پاک ہیں۔ شراب پاک ہے۔ ... کی شکل میں بنے ہوئے سونے کے زیورات عورتوں کے لئے حرام کہتے رہے۔ مثلاً بالی، ہار۔ عورتوں کے لئے چہرے اور ہاتھ چھپانے کے قائل نہیں تھے۔ ... کے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ غیر سائق الہدی حاجی کے لئے ... عمرہ کے قائل تھے۔ عمرہ میں طواف کرنے کے بعد متصل تحلیل کے قائل تھے۔ جس طرح حضرت ابن عباسؓ کے حج میں تفردات منقول ہیں۔ ... پڑ جانے کے بعد بعض شاذ فتووں کی بناء پر حکومت نے ان کی ... کر دی اور وہ ... دمشق چلے گئے۔ تخریج احادیث میں بہت ماہر تھے۔ مگر ... نحوی قواعد ... سے ان کا خاص واسطہ نہیں رہا تھا۔ دمشق میں پہلے گھڑی ساز رہ چکے تھے۔ ان کی کتاب «سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة» چار بڑی جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس نے ... «كتاب الادب المفرد» امام بخاری کی تقسیم صحیح اور ضعیف میں کر دی ہے۔ ... غیر مقلد ... نے ... صحیح ضعیف کے نام سے الگ الگ شائع کرا چکے ہیں۔ دیگر اہل علم ... کو ... محمد ... کی

[illegible] ... الاوہام من قسم المغنی الی صحیح وضعیف بقلم محمود سعید ممدوح ... [illegible] ... فتاوی ابن تیمیة فی المیزان تالیف محمد بن احمد مسکة بن العتیق الیعقوبی ... [illegible]

[illegible]

وغیرہ کا زمانہ تقریباً سن ۸۰ھ سے شروع ہوجاتا ہے۔ اور یہ چاروں امام بیس رکعات کے قائل ہی حرمین شریفین میں اسی بیس پر عمل دیکھتے ہیں۔ تو سن ۴۰ھ اور سن ۸۰ھ کے درمیان کونسی ایسی حکومت گذری ہے جس نے آٹھ رکعات سے بیس کرائی۔ اور تمام عالم اسلام نے اسے بغیر چون و چرا کے قبول کر کے اس پر عمل شروع کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ مجھے معلوم نہیں تو میں نے عرض کیا کہ یہ مقام تو خلفاء راشدین کو حاصل تھا کہ ان کے مسائل پر عالم اسلام بلا چون و چرا متفقہ طور پر عمل پیرا ہوجاتے تھے۔ حضرت الشیخ میں یہ صفت تھی کہ وہ بحث و مباحثہ سے ناراض نہیں ہوجاتے تھے اور وسعت صدر کے ساتھ ریت پر بیٹھ کر ہمارے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ آج کل غیر مقلدین اندھی تقلید میں مبتلا ہیں۔ اور ائمہ اربعہ اور فقہ کے بارے میں بے ادبی کرتے ہیں۔ جبکہ وہ واقعی غیر مقلد تھے لیکن بے ادب نہیں تھے۔ افسوس کہ حضرت ۱۴۲۲ھ میں اردن میں جلاوطنی کے زمانہ میں راہی دار بقاء ہو گئے۔ شام کی کمیونسٹ حکومت نے اسے جلاوطن کیا تھا۔ وفات سے پہلے بعض سعودی علماء کی سفارش پر فیصل ایوارڈ سے نوازے گئے۔ رحمه الله تعالى رحمة واسعة واسكنه بحبوحة جنانه۔ حضرت کی تصنیفات سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة چار جلدوں میں صفة صلوة النبی ﷺ، تسديد الاصابة لمن يزعم نصرة الصحابة، رسالة فی فضل الصلوة والسلام على سيد الانام جس میں صلوۃ وسلام کے صیغے ذکر ہیں۔ اور بعض کتب پر تخریجات احادیث اور کتب سنن کی تقسیم صحیح وضعیف وغیرہ شائع ہوچکی ہیں۔

میرے دوسرے اساتذہ میں شیخ عبدالقادر ابن شیبۃ الحمد المصری، جو علم نحو پڑھاتے تھے اور شیخ عطیہ محمد سالم المصری جو معانی پڑھاتے تھے اور شیخ رمضان العراقی، شیخ محمد المجذوب الشامی، شیخ عمر الاشقر الفلسطینی، شیخ دکتور محمد عتر الحلبی، شیخ محمد بشر الاردنی، شیخ احمد مختار الشنقیطی، شیخ عبدالمحسن عباد النجدی، مختلف سالوں میں پڑھاتے رہے۔ شیخ عبدالمحسن عباد ہمیں شرح عقیدۃ الطحاوی پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ صفات متشابہ کے سلسلے میں فرمانے لگے کہ ان کے معانی معروف اور معلوم ہیں اور کیفیت مجہول۔ تو میں نے عرض کیا کہ مثلاً ید اللہ کا معنی مجھے معلوم نہیں میں تو عجمی شخص ہوں مجھے ید الانسان اور ید الحیوان کا معنی معلوم ہے جس سے مراد ایک جارحہ ہے، جو گوشت، پوست، ہڈی اور

چمڑے سے مرکب ہوتا ہے جس پر بال بھی ہوتے ہیں اور اس میں پانچ انگلیاں اور ناخن بھی ہوتے ہیں۔ البتہ ہر ید انسان کی کیفیت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے تو مجھے یہی معنی ید کا معلوم ہے۔ اور ید اللہ کا معنی معلوم نہیں تو آپ براہ کرم ید اللہ کا معنی بورڈ پر لکھ دیجئے، تاکہ مجھے سمجھ آئے تو وہ لکھنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفات متشابہ کے لغوی معانی تحت اللفظ ہم کرسکتے ہیں۔ لیکن اس کی تشریح اور وضاحت معانی معروفہ فی الخلق سے نہیں کرسکتے ۔ اگر ان صفات کو معانی معروفہ کے ساتھ اللہ تعالی کیلئے ثابت کرلیں، تو اس سے تجسیم لازم آتی ہے۔ کیفیت کی جہالت سے ہم تجسیم سے نہیں نکل سکتے ۔ انسانوں میں ہر شخص کی کیفیت دوسرے سے مختلف رہتی ہے۔ مگر نفس جسمیت میں سب شریک ہیں۔

پہلے سال جب شیخ صواف آگئے تو آپ کا محاضرہ ﴿توجیہ الاسلام الآباء والمعلمین فی تربیۃ الابناء﴾ کے موضوع پر رہا، یہ بدھ کی رات مورخہ ۱۱/۱۰/۱۳۸۲ھ مطابق ۵/۳/۱۹۶۳ء تھی۔ آپ نے اس سلسلے میں صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین اور اسلامی تربیت کا اثر اور انگریزی استعمار کے گندے ارادوں، اور جامعہ بیروت اور جامعہ بغداد میں عرب نوجوانوں کو گمراہ کرنے کے طریقوں اور حربوں پر پر سیر اور تفصیلی بیان کیا۔

﴿شیخ ابوالحسن علی الندویؒ﴾ نے پہلے سال کے محاضرہ میں، جو آپ نے بدھ کے دن ۲/ذی القعدہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۷ مارچ ۱۹۶۳ء کو دیا تھا اس میں آپ نے طلباء کو اصلاح ذات اور نفس پر بڑی توجہ دلائی تھی۔ آپ نے ان لوگوں پر رد کی طرف اشارہ کیا۔ جو معاشرے کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں مگر افراد کی فکر نہیں کرتے ۔ ان کا خیال ہے کہ جب چالیس چور جمع ہوجائیں تو معاشرہ خود بخود ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر یہ غلط ہے چالیس چور جمع ہونے سے چوری کے زیادہ طریقے سامنے آئیں گے اور چوری بڑھ جائے گی۔ اللہ تعالی نے حضور پاک ﷺ کی صفت میں ﴿يعلمهم الكتاب والحكمة﴾ کے ساتھ ﴿يزكيهم﴾ کا ذکر بھی کیا ہے، اگر صرف تعلیم کتاب وسنت کافی ہوجاتی تو ﴿يزكيهم﴾ کے ذکر کی حاجت نہ ہوتی۔

باقی آئندہ

Scanned with CamScanner

مولانا تحمید اللہ جان

اخبار الجامعہ

سرحد حکومت کی صوبائی کابینہ نے صوبائی دائرہ اختیار میں حتی المقدور شریعت نافذ کرنے اور نمایاں تبدیلی لانے کی خاطر اسلامی سفارشات وضع کرنے کے لئے شریعت کونسل تشکیل دی۔ کونسل کے چیئرمین حضرت مولانا مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم مہتمم جامعہ عثمانیہ پشاور مقرر کئے گئے۔ آپ اس سلسلے میں ملک کے نامور علماء کرام ماہرین قانون وتجارت اور اعلیٰ دانشوروں سے خصوصی مشاورت کے لئے عازم سفر ہوئے۔ آپ کی معیت میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب ناظم تعلیمات جامعہ عثمانیہ بھی شریک سفر تھے۔ جس کا مختصر جائزہ نذر قارئین ہے۔

لاہور روانگی :- مورخہ 15 فروری 2003ء کو بذریعہ جہاز لاہور روانگی ہوئی ۔ لاہور ائیر پورٹ پر استقبال کے لئے حافظ محمد ریاض درانی صاحب مرکزی سیکرٹری اطلاعات جمعیت علماء اسلام پاکستان موجود تھے۔ درانی صاحب کی رہائش گاہ پر حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی پریس کانفرنس ہوئی۔ اسی دن بعد از نماز عصر جناب ڈاکٹر اسرار صاحب سے تنظیم اسلامی کے دفتر میں ملاقات ہوئی ۔ ملاقات کے وقت حافظ عاکف سعید صاحب امیر تنظیم اسلامی اور ڈاکٹر عبدالخالق اعوان صاحب سیکرٹری تنظیم اسلامی موجود تھے۔ بعد از نماز مغرب ریاض درانی صاحب کی معیت اور رہبری میں جامعہ اشرفیہ لاہور تشریف لے گئے۔ وہاں مولانا عبدالرحمٰن اشرفی صاحب نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، مولانا محب النبی جے۔یو۔آئی، صاحبزادہ محمد امجد خان جے۔یو۔آئی ڈاکٹر سرفراز نعیمی جے۔یو۔آئی وممبر اسلامی نظریاتی کونسل اور اعلیٰ دانشور عالم دین مفتی محمد خان قادری صاحب کے ساتھ بڑی

اہم نشست ومشاورت ہوئی ۔ بعد از نماز عشاء جامعہ اشرفیہ کے استاد مولانا نور الاسلام صاحب کی عیادت کیلئے ان کی رہائش گاہ پر تشریف لے گئے۔ موصوف جامعہ عثمانیہ پشاور کے سابق مدرس رہ چکے ہیں۔ بعد ازاں ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب مفتی جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور سے ملاقات کی۔

کوئٹہ روانگی :-

ان مصروفیات سے فارغ ہوکر دوسرے دن مورخہ 16 فروری کو 10:15 کی فلائٹ سے کوئٹہ روانگی ہوئی۔ کوئٹہ ائیر پورٹ پر مولانا عبدالستار صاحب سیکرٹری جنرل جے۔یو۔آئی بلوچستان، قاضی محمد ہارون صاحب ممبر اسلامی نظریاتی کونسل، مفتی عبدالسلام صاحب، حافظ عبداللہ صاحب اور سائیں غوث بخش صاحب استقبالیہ کے لئے موجود تھے۔ کوئٹہ ائیر پورٹ پر مفتی نظام الدین شامزی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے اتفاقی ملاقات ہوئی۔ جبکہ وہ اسلام آباد تشریف لے جارہے تھے۔ ائیر پورٹ سے مفتی عبدالسلام صاحب کی رہائش گاہ تشریف لے گئے ۔ اسی دن کو ملک سکندر خان ایڈوکیٹ صوبائی محتسب اعلیٰ بلوچستان، سابق ایڈوکیٹ جنرل، سپیکر بلوچستان اسمبلی، سابق سفیر پاکستان یوگنڈا سے، ملاقات ہوئی۔ یہ نشست خصوصاً شعبہ احتساب کی مشاورت میں زیادہ مفید رہی۔

17 فروری کو مفتی عبدالسلام کی رہائش گاہ واقع پی اینڈ ٹی کالونی کوئٹہ میں قیام رہا۔ 18 فروری کو ملک سکندر ایڈووکیٹ صاحب سے خصوصی ملاقات ومشاورت ہوئی۔ اسی دن کراچی روانگی کا ٹکٹ تھا۔ برف باری کی وجہ سے فلائٹ ملتوی ہوئی اور اگلے دن 19 فروری کو کراچی روانگی ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب کے استقبال کے لئے کراچی ائیر پورٹ پر جناب محمد شعیب صاحب، قاری عثمان صاحب سیکرٹری اطلاعات جے۔یو۔آئی سندھ، مولانا حماد اللہ شاہ اور قاری شیر افضل صاحب نائب امیر جے۔یو۔آئی سندھ تشریف لائے تھے۔

کراچی میں مصروفیات

اسی دن بوقت عشاء جناب ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے خصوصی ملاقات ومشاورت ہوئی - اس کے بعد رات کو حضرت مفتی صاحب کی طبیعت قدرے ناساز ہوگئی اور رات 2 بجے کمال ہسپتال نزد کراچی کینٹ میں داخل کردیے گئے۔

20 فروری کے دن مولانا حسین احمد صاحب انفرادی طور پر اعلی سیاسی دانشوروں سے ملاقات کے لئے ورلڈ اسلامک مشن کے دفتر عراق روڈ صدر کراچی تشریف لے گئے - اس مجلس میں مولانا شاہ احمد نورانی صاحب صدر ایم - ایم - اے پاکستان، پروفیسر اسداللہ بھٹو ایم - این - اے امیر جماعت اسلامی سندھ، مولانا عمر صادق صاحب پارلیمانی صدر مجلس عمل سندھ اسمبلی، مولانا احسان اللہ ہزاروی ایم - پی - اے، قاری محمد عثمان صاحب سیکرٹری اطلاعات جے - یو - آئی سندھ، محمد احمد صدیقی صاحب - ایم - پی - اے، مولانا محمد اسعد تھانوی صدر جے - یو - آئی (س) سندھ، ڈاکٹر معراج الہدی صدیقی امیر جماعت اسلامی کراچی اور مولانا عبدالکریم عابد صاحب موجود تھے - اس ملاقات کے وقت اتفاقاً صوبہ سرحد کے سینئر وزیر جناب سراج الحق صاحب موجود تھے وہ ان دنوں کراچی کے دورہ پر تھے - اس اجلاس کے بعد یہ حضرات حضرت مفتی صاحب کی عیادت کیلئے کمال ہسپتال تشریف لے گئے - 21 فروری کے دن دفتر مجلس ختم نبوت واقع مسجد باب الرحمۃ پرانی نمائش کراچی میں ایک بھرپور اجلاس منعقد ہوا جس میں پروفیسر اسداللہ بھٹو، مولانا اسعد تھانوی، قاری محمد عثمان، مولانا احسان اللہ ہزاروی، مولانا خان محمد ربانی، جناب اسامہ رحیمی صاحب ماہر معاشیات، جناب ارشاد الحق صاحب، جناب محمد ہاشم صدیقی صاحب جے - یو - پی، مولانا خیر الحق ابرار، قاری فیض اللہ چترالی اور دیگر حضرات شریک رہے - بعد از نماز عشاء حضرت مفتی صاحب نے بہادرآباد کراچی میں تاجر برادری کے ایک نمائندہ اجتماع سے ڈاکٹر منصور اقبال کی رہائش گاہ پر مولانا قاری نور محمد صاحب کی زیر صدارت خطاب فرمایا -

22 فروری صبح کا ناشتہ ھیومن رائٹس نیک ورک کی طرف سے جناب اسد اللہ بھٹو صاحب

ایم - این - اے امیر جماعت اسلامی سندھ کے ہاں ادارہ نور حق فیڈرل بی ایریا میں ہوا - اس کے متصل بعد نشست منعقد ہوئی - جس میں حافظ حسین احمد ایم - این - اے وڈپٹی سیکرٹری جنرل ایم - ایم - اے اسلامی تحریک پاکستان سندھ کے صدر غلام حسن ترابی صاحب، مولانا قاری محمد عثمان صاحب سیکرٹری اطلاعات ایم - ایم - اے وجمعیت علمائے اسلام سندھ، مولانا عبدالکریم عابد، سابق ایم - پی - اے اخلاق احمد صاحب، جناب عبدالغفار عمر صاحب اور دیگر حضرات شریک تھے - مجلس میں نفاذ شریعت کونسل کی سفارشات پر بحث ومشاورت ہوئی - پروگرام کے اختتام پر جناب اسداللہ بھٹو صاحب نے حافظ حسین احمد، حضرت مفتی صاحب اور حسین احمد صاحب کو خصوصی سندھی تحفہ اجرک پیش کیا - بعد ازاں پونے گیارہ بجے جامعہ نعیمیہ کراچی میں اجلاس منعقد ہوا - جس میں مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے چیئرمین مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب، سابق ایم - پی - اے مولانا محمد حسن حقانی، مرکزی بیت المال کے سابق چیئرمین مولانا غلام رسول سیالوی، مولانا غلام دستگیر افغانی، مولانا مفتی محمد اطہر نعیمی اور دیگر حضرات سے مشاورت اور تبادلہ خیال ہوا -

اسی دن ایک بجے سپریم کورٹ، شریعت اپیلٹ بنچ کے سابق جج مولانا محمد تقی عثمانی صاحب سے ملاقات طے تھی - چنانچہ ان کے دفتر دارالعلوم کراچی میں ایک گھنٹہ تک ملاقات کی نشست رہی - اور ان سے آئینی امور پر تبادلہ خیال ہوا - مولانا نے نظام تعلیم کی تبدیلی کو بنیادی ضرورت قرار دیا - بعد از نماز عصر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر اور جامعہ فاروقیہ کے مہتمم شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب سے ملاقات طے تھی - جو جامعہ کے دفتر اہتمام میں مغرب تک جاری رہی -

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے نفاذ شریعت کونسل کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار فرمایا - اور دعا کی -

عشاء کے وقت ھلٹن بلڈنگ کلفٹن روڈ پر پروفیسر عمر فاروق ایڈووکیٹ سابق پرنسپل لاء کالج کراچی کے دفتر میں خواجہ شرف الاسلام ایڈووکیٹ، فدا محمد ایڈووکیٹ، منصور الحق سولنگی اور دیگر سینئر وکلاء سے ملاقات اور تبادلہ خیال ہوا - 23 فروری صبح نو بجے اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب سے ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی اور سفارشات کے اہم نکات پر مشاورت بھی ہوئی - 23 فروری 11:30 بجے اس سفر کی آخری ملاقات سپریم کورٹ کے سابق جج

Scanned with CamScanner

جسٹس وجیہہ الدین احمد صاحب سے ان کی رہائش گاہ پر ہوئی - اور طویل مشاورت ہوئی - بعد ازاں ایئرپورٹ روانگی ہوئی - جہاز میں تاخیر کی وجہ سے اسی دن براستہ لاہور بعد از نماز مغرب پشاور پہنچے۔

شعبہ حفظ:

مذکورہ شعبوں کے ساتھ جامعہ کا شعبہ حفظ بھی میں ہے - جو دو کلاسوں پر مشتمل ہے۔ جس میں طلبہ کی تعداد 45 ہے - اس کا تعلیمی سلسلہ اس طریقے سے چل رہا ہے کہ سحری کے وقت چار بجے طلبہ اٹھائے جاتے ہیں - ناشتہ تک نئے سبق کا سلسلہ جاری رہتا ہے - ناشتہ کے بعد سبقی پارہ سنانا شروع ہوتا ہے جس کے بعد ایک پارہ منزل سناتے ہیں - بارہ بجے چھٹی ہو کر کھانا اور آرام کے لئے وقت دیا جاتا ہے - ظہر کی نماز سے عصر تک پرانی منزل دہراتے ہیں - عصر کے وقت طلبہ کھیلتے ہیں جس کے لئے بڑا وسیع گراؤنڈ ہے - مغرب کی نماز سے لیکر عشاء کی نماز تک کل کے لئے اپنا سبق یاد کرتے ہیں - تاکہ کل نئے سبق پڑھنے میں آسانی ہو - عشاء کے کھانا اور نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد طلبہ فوراً سوتے ہیں تاکہ سویرے اٹھنے میں آسانی ہو -

شعبہ تخصص -

جامعہ میں طلباء کی تحقیقی اور تالیفی صلاحیت بڑھانے کی خاطر شعبہ تخصص قائم کیا گیا ہے - جس میں دورہ حدیث سے فراغت کے بعد طلباء کو داخلہ دیا جاتا ہے - درجہ تخصص کا تعلیمی دورانیہ دو سال ہے - پہلا سال پڑھانے کے لئے متعین ہے - جس میں مختلف مضامین مثلاً تقابل ادیان، میراث، سیاسیات، قانون، اصول افتاء پڑھائے جاتے ہیں جبکہ دوسرا سال مقالہ کی تکمیل کے لئے مقرر کیا گیا ہے - علاوہ ازیں اس میں طلباء سے فتاوی جات حل کرائے جاتے ہیں - بنیادی طور پر درجہ تخصص کے صرف ان طلباء کو کامیاب قرار دیا جاتا ہے جو فتوؤں کی مطلوبہ تعداد تقریباً 200 پوری

کرے اور ایک تحقیقی مقالہ پیش کرے ورنہ تخصص ناقص متصور ہوگا - چنانچہ طلباء اپنے ذوق کے مطابق کسی موضوع کا انتخاب کرتے ہیں - پھر حضرت صاحب سے خطہ منظور کراتے ہیں - اور اس کے مطابق مختلف کتب خانوں سے علمی مواد جمع کرتے ہیں - اب تو الحمد للہ جامعہ کا کتب خانہ چونکہ کتابوں کے ایک ضخیم ذخیرہ پر مشتمل ہے - اور مزید علمی ذخیرہ اکٹھا کئے جانے کا عمل جاری ہے اس لئے تخصص کے طلباء معلومات جمع کرنے کے لئے بہت کم دیگر کتب خانوں کی طرف جاتے ہیں - موضوع کے مطابق علمی مواد جمع کرنے کے بعد ان کو ترتیب دیکر جامعہ کے کسی استاد کی نگرانی میں اپنا مقالہ مکمل کر کے جمع کرتے ہیں - بعد میں وہ مقالات چھان بین کے لئے جامعہ کے ماہر اساتذہ کرام میں تقسیم کئے جاتے ہیں - ان کی رپورٹیں موصول ہونے کے بعد مناقشہ ہوتا ہے -

چنانچہ گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی ۲۲ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ / ۲۶ مارچ ۲۰۰۳ء کو مناقشہ منعقد ہوا - جس میں کل آٹھ طلباء کو مناقشہ کے لئے بلایا گیا جن میں سات کا تعلق تعلیمی سال نمبر 9 سے تھا - جبکہ ایک طالب علم کا تعلق تعلیمی سال نمبر 8 سے تھا چونکہ کسی معقول عذر کی بناء پر وہ گذشتہ سال کے مناقشہ میں شریک نہیں ہوا تھا - اس لئے اس کو اس دفعہ مناقشہ میں شرکت کا موقعہ دیا گیا - جن مقالہ نگاروں کا مناقشہ مقرر ہوا تھا ان کے نام اور موضوعات کی تفصیل درج ذیل ہے -

اسمائے شرکاء	موضوع	تعداد صفحات
(۱) مولانا شوکت علی	القواعد الفقہیہ لصاحب وضوع الھدایہ	۲۳۳
(۲) مولانا حضرت حیات	واقف کی شرائط کا دائرہ کار	۲۵۰
(۳) مولانا اکرام اللہ	دستخط کے شرعی تقاضے	۳۱۶
(۴) مولانا محمود رشید	زرعی اجناس کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۲۲۷
(۵) مولانا انجم جاوید	غیر سرکاری فیصلوں کی شرعی حیثیت	۲۸۷
(۶) مولانا محمد ایاز	قانون میعاد سماعت کا شرعی جائزہ	۲۰۵

Scanned with CamScanner

(۷) مولانا عبدالقیوم	چاند دیکھنے کے شرعی تقاضے	۱۱۸
(۸) مولانا محمد فاضل	غیر قانونی اشیاء کی خرید وفروخت کی شرعی حیثیت	۲۵۱

مناقشہ کیلئے چار افراد پر مشتمل ایک مجلس علمی حضرت مفتی غلام الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کی صدارت میں مقرر ہوئی ۔حضرت مفتی صاحب کے علاوہ جامعہ کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا حسین احمد صاحب نائب مدیر العصر حضرت مولانا ذاکر حسن نعمانی صاحب جامعہ کے نائب مفتی حضرت مولانا نجم الرحمٰن صاحب اس مجلس کے اراکین تھے۔مناقشہ اساتذہ کرام اور بعض درجات کے طلبہ کے سامنے ہوا۔ چنانچہ درجہ تخصص سال اول، دوم، دورہ حدیث، موقوف علیہ اور درجہ تکمیل کے طلبہ کو شرکت کی اجازت دی گئی تھی۔

مناقشہ کے دوران مقالہ نگار سے مجلس علمی کے اراکین مقالہ کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ سب سے پہلے ہر مقالہ نگار اپنے مقالے کا خلاصہ پیش کرتا تھا۔ پھر سوالات جوابات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ مقالہ نگار کی استعداد کے مطابق ممتحنین نمبرات اور اپنی آراء قلمبند کرتے تھے۔تقریباً تمام مقالہ نگار اپنی تحقیقی کاوش میں کامیاب قرار پائے۔ مناقشہ دوپہر ۲ بج کر ۳۰ منٹ سے شروع ہوا اور رات ۹ بجے حضرت مفتی صاحب کی اختتامی دعا کے ساتھ ختم ہوا۔

مؤدبانہ گذارش

تمام ممبر حضرات سے گذارش ہے کہ جن کی خریداری مدت پوری ہو چکی ہے۔وہ ازراہ کرم زر سالانہ 125 روپے ارسال کر کے ادارہ سے مالی بوجھ ہٹانے میں تعاون کر کے ثواب دارین حاصل کریں۔ادارہ

بنوں برانڈ ٹریڈ مارک معیار میں اعلیٰ

توابل الادم

سولہ اجزاء کا مجموعہ

بنوں

سالن مصالحہ

مرچ سرخ، دھنیا، ہلدی، لہسن، میتھی، زیرہ، کالی، دارچینی، جلوتری، الائچی کلاں، اجوائن، انار دانہ، تیز پتہ، جائفل، لونگ اور ٹماٹر پاؤڈر

تیار کردہ:- حاجی مقبول الرحمٰن، شاہ قیاز خان

گل آباد کالونی دلہ زاک روڈ پشاور - پاکستان

Scanned with CamScanner